6

سماجی اور معاشی حقوق

سماجی اور معاشی حقوق

تعلیم

ریاست قانون کے تجویز کردہ طریقہ کار کے مطابق 5 سے 16 برس کے تمام بچوں کو مفت اور لازمی تعلیم فراہم کرے گی۔

آئین پاکستان

[آرٹیکل 25(الف)]

......ناخواندگی کا خاتمہ کرے گی اور ممکنہ حد تک کم سے کم عرصہ میں مفت و لازمی ثانوی تعلیم فراہم کرے گی۔

[آرٹیکل 37(ب)]

قانون کی عائد کردہ معقول پابندیوں اور ضوابط کے تابع رہتے ہوئے تمام شہریوں کو عوامی اہمیت کے تمام معاملات میں معلومات لینے کا حق حاصل ہے۔

آئین پاکستان

[آرٹیکل 19(الف)]

(1) ہر شخص کو تعلیم حاصل کرنے کا حق ہے۔ تعلیم کم سے کم ابتدائی اور بنیادی درجوں میں مفت ہوگی۔ ابتدائی تعلیم لازمی ہوگی۔ فنی اور پیشہ ورانہ تعلیم کو عام کیا جائے گا اور قابلیت کی بنیاد پر اعلیٰ تعلیم تک رسائی سب کے لیے مساوی طور پر ممکن ہوگی۔

(2) تعلیم کا مقصد انسانی شخصیت کی مکمل نشوونما ہوگا اور وہ انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کے احترام میں اضافہ کرنے کا ذریعہ ہوگی۔ وہ تمام قوموں اور نسلی یا مذہبی گروہوں کے درمیان باہمی مفاہمت، رواداری اور دوستی کو فروغ دے گی اور امن کو برقرار رکھنے کے لیے اقوام متحدہ کی سرگرمیوں کو آگے بڑھائے گی۔

انسانی حقوق کا عالمی منشور

[آرٹیکل 26]

فریق ریاستیں متفق ہیں کہ بچوں کی تعلیم کے مقاصد درج ذیل ہوں گے۔

(الف) پورے امکانات کی حد تک بچے کی شخصیت، ذہانت اور ذہنی وجسمانی صلاحیتوں کو ترقی دینا۔

(ب) انسانی حقوق، بنیادی آزادیوں اور اقوام متحدہ کے منشور میں بیان کیے گئے اصولوں کے احترام کو فروغ دینا۔

(ج) بچے میں اپنے والدین، اپنی تہذیبی شناخت، زبان اور اقدار کا احترام پروان چڑھانے، اس ملک اور وطن جس میں بچہ رہ رہا ہے یا جس سے اس کا تعلق ہے اس کی قومی اقدار اور اس سے مختلف دوسری تہذیبوں کے احترام کو فروغ دینا۔

(د) بچے کو آزاد سماج میں ذمہ دارانہ زندگی گزارنے کے لئے تیار کرنا۔ یعنی امن، برداشت، مساوات، جنسی مساوات اور تمام لسانی، قومی و مذہبی گروہوں اور قدیم مقامی آبادیوں کے افراد کے درمیان، دوستانہ اقدار کی روح کا فہم وادراک پیدا کرنا۔

(ہ) قدرتی ماحول کے تحفظ کو فروغ دینا۔

[آرٹیکل 29]

اس معاہدے کی تمام ممالک لوگوں کے حصول تعلیم کے حق کو تسلیم کرتے ہیں۔ وہ اس بات سے اتفاق کرتے ہیں کہ تعلیم کا مقصد انسانی شخصیت کی نشوونما اور انسانی عزت و وقار کی سربلندی ہونا چاہیے اور اس سے انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کے احترام کو تقویت ملنی چاہیے۔ وہ اس بات سے بھی اتفاق کرتے ہیں کہ تعلیم کا مقصد تمام افراد کو اس قابل بنانا ہے کہ وہ آزاد معاشرے میں اپنا مؤثر کردار ادا کرسکیں اور تمام قوموں، نسلوں، قبیلوں اور مذہبی گروہوں کے درمیان افہام وتفہیم کو فروغ دیں اور قیام امن کے لیے اقوام متحدہ کی سرگرمیوں کو آگے بڑھائیں۔

اس معاہدے کے تمام ممالک تسلیم کرتے ہیں کے اس حق کے مکمل حصول کی خاطر:

(الف) تمام افراد کے لیے پرائمری تعلیم لازمی ومفت ہوگی؛

(ب) ثانوی تعلیم اپنی مختلف شکلوں، بشمول فنی و پیشہ ورانہ ثانوی تعلیم اس طرح عام کرنا ہوگی کہ یہ ہر شخص کی دسترس میں ہو۔ خاص طور سے بتدریج مفت تعلیم رائج کرکے یہ مقصد حاصل کیا جائے گا؛

(ج) ہر شخص کو اس کی استعداد کے مطابق، ہر ممکن ذریعہ سے اعلیٰ تعلیم پر دسترس ہوگی۔ خاص طور سے بتدریج مفت تعلیم رائج کرکے یہ مقصد حاصل کیا جائے گا۔

معاشی، معاشرتی اور ثقافتی حقوق کا عالمی معاہدہ
(آرٹیکل 13)

سال 2018 میں پاکستان میں ہر سطح پر تعلیم کی فراہمی میں حائل مشکلات میں اضافہ ہوا ہے۔ درست سمت میں کی گئی کاوشیں ناکافی ثابت ہوئیں، تعلیم کی ایک بنیادی حق کے طور پر فراہمی اور اسے پائیدار ترقیاتی اہداف 2030 کے حصول کے لیے بنیاد بنانے سے متعلق شدید تحفظات سامنے آئے۔

سکول کی سطح پر تعلیم سے متعلق ایک رپورٹ کے مطابق سکول نہ جانے والے بچوں کی تعداد دو کروڑ چھبیس لاکھ تیس ہزار سے دو کروڑ اٹھائیس لاکھ چالیس ہزار کے درمیان ہے۔ ایک اور رپورٹ میں چھ سے سولہ سال کے بچوں کے سکول جانے کی شرح 81 فیصد سے 83 فیصد ہونے کا حوصلہ افزا رجحان پیش کیا گیا۔

حکام نے انفراسٹرکچر کی تیاری میں خاطر خواہ کامیابی حاصل کی ہے تاہم تمام صوبوں اور صوبوں کے اندر مختلف علاقوں میں اس انفراسٹرکچر کے فوائد کی یکساں تقسیم یقینی بنانے کے لیے مزید اقدامات کی ضرورت ہے۔ بلوچستان اور آزاد جموں و کشمیر کے سکولوں کی ایک بڑی تعداد تا حال بجلی، پینے کے پانی اور طہارت خانوں جیسی بنیادی سہولیات سے محروم ہیں۔

میعارِ تعلیم کے اکتسابی نتائج اس مرتبہ بھی باعث تشویش رہے۔ متعدد رپورٹیں اس بڑے چیلنج کی نشاندہی کرچکی ہیں جو پرائمری اور مڈل سکول کی تعلیم سے متعلق درپیش ہے جب بچوں میں تنقیدی سوچ اور تجزیاتی فکر کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔

یہ برس تعلیم کے ایک بازاری جنس میں تبدیل کیے جانے کا سال بھی ثابت ہوا۔ فیسوں میں اضافے کا مسئلہ سپریم کورٹ میں زیر سماعت ہونے کی وجہ سے اشرافیہ کے سکول ذرائع ابلاغ کی توجہ کا مرکز رہے، تاہم موزوں

طالب علموں کے والدین فیس میں اضافے پر نجی سکولوں کے مالکان کے خلاف احتجاج کر رہے ہیں

سہولیات اور تدریسی وسائل کی عدم دستیابی کے باعث نچلے درجے کے نجی سکولوں میں تعلیمی بحران زیادہ شدید رہا۔

اعلیٰ تعلیم کا شعبہ بھی ایسی ہی غفلت اور کوتاہی کا شکار رہا۔ حکومت کی تبدیلی کے باعث اعلیٰ تعلیمی کمیشن کے بجٹ میں 5 ارب کی کمی کر دی گئی، اکتوبر میں جاری کیے گئے وسط مدتی بجٹ میں کمیشن کا بجٹ پینتیس ارب اسی کروڑ سے کم کر کے تیس ارب کر دیا گیا۔

فیسوں میں اضافے، ڈگریوں کے اجراء میں تاخیر، یا انتظامیہ کی جانب سے پیشہ ورانہ تعلیم کے متعلقہ اداروں سے منظوری حاصل کرنے میں ناکامی پر ملک بھر کے یونیورسٹی کیمپسوں میں احتجاجی مظاہروں کی خبریں سامنے آئیں۔ سروس سٹرکچر کی عدم موجودگی اور سندھ کے متنازع تعلیمی قانون پر اساتذہ اور انتظامیہ کے درمیان تنازعات چلتے رہے۔

اعلیٰ تعلیم تک خواتین کی رسائی میں حائل ایک بڑی رکاوٹ یونیورسٹیوں میں جنسی ہراسانی کے واقعات میں اضافہ ہے، اس اضافے کی نشاندہی اخباری خبروں میں بھی کی گئی ہے۔ ایک تفصیلی خبر کے مطابق ایک بڑی سرکاری یونیورسٹی کی انتظامیہ جنسی ہراسانی کے قانون تک سے واقف نہیں، انتظامیہ کی یہ لاعلمی طالبات کو جنسی ہراسانی کا مسلسل شکار بنانے کا باعث بن رہی ہے۔

خواندگی

2016-17 کے بعد سے خواندگی اور حساب کتاب سے متعلق نئے سرکاری اعداد و شمار شائع نہیں کیے

گئے۔ 17-2016 کے دوران بالغ افراد کی شرح خواندگی میں دو فیصد کمی ریکارڈ کی گئی تھی، اس برس خواندگی کی شرح 60 فیصد سے کم ہو کر 58 فیصد ہو گئی تھی۔ نوجوانوں میں خواندگی کی شرح 70 فیصد ہے۔

تعلیم پر سرکاری اخراجات

اگرچہ سرکاری اخراجات میں تعلیم پر خرچ کرنے کی شرح میں خاطر خواہ اضافہ ہوا ہے، لیکن پاکستان ابھی بھی عالمی معیارات اور علاقائی اوسط کے مقابلے میں تعلیم پر کم خرچ کر رہا ہے۔ جی ای ایم کی رپورٹ برائے 2019 کے مطابق پاکستان میں نہ صرف مجموعی ملکی پیداوار (2017 میں 2.6 فیصد سے 2018 میں 2.8 فیصد) بلکہ کل سرکاری اخراجات (2017 میں 13.2 فیصد سے 2018 میں 13.8 فیصد) میں بھی تعلیم پر خرچ کی شرح میں اضافہ ہوا ہے۔ تاہم یاد رہے کہ یہ اضافہ جنوبی ایشیا کے باقی ممالک کے تعلیمی اخراجات کی نسبت کم ہے، جنوبی ایشیا کے دیگر ممالک اوسطاً جی ڈی پی کا 3.8 فیصد جب کہ کل سرکاری اخراجات کا 14.5 فیصد تعلیم پر خرچ کرتے ہیں۔ اقوام متحدہ کی جانب سے ایجوکیشن فریم ورک 2030 کے تحت جی ڈی پی کا 4.6 فیصد اور کل قومی اخراجات کا 15 سے 20 فیصد تعلیم پر خرچ کرنے کی تجویز دی گئی ہے۔

سکولوں میں بچوں کا اندراج اور سکول چھوڑنے کی شرح — صنف، علاقے اور آمدن کی بنیاد پر فرق

مناسب وسائل کی عدم دستیابی بجٹ اشاریوں سے ظاہر ہے، جن میں سے سب سے تشویش ناک سکول نہ جانے والے بچوں کی تعداد ہے۔ وزارت تعلیم کے تحت قائم اکیڈمی آف ایجوکیشنل پلاننگ اینڈ مینجمنٹ کی جانب سے جولائی میں پاکستان کے تعلیمی اعداد و شمار برائے سال 17-2016 جاری کیے گئے۔ ان اعداد و شمار کے مطابق سکول نہ جانے والے بچوں کی تعداد دو کروڑ چھبیس لاکھ تیس ہزار سے بڑھ کر دو کروڑ اٹھائیس لاکھ چالیس ہزار ہو گئی ہے۔

2018 کے دوران تعلیم سے متعلق جاری کردہ اعداد و شمار کئی اہم پہلوؤں کی نشاندہی کرتے ہیں، پانچ سے سولہ سال کے بچوں کے لیے لازمی تعلیم کو ممکن بنانے کے لیے پالیسی سازوں کو ان پہلوؤں پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔

پہلا بڑا مسئلہ یہ ہے کہ سکول نہ جانے والے بچوں کی بڑی تعداد یعنی ایک کروڑ ستر لاکھ بچے مڈل (جماعت ششم تا ہشتم)، سیکنڈری (جماعت نہم اور دہم) اور ہائیر سیکنڈری (دسویں اور گیارہوں جماعت) میں پڑھنے والوں کی عمر کے ہیں۔

دوسرا بڑا مسئلہ یہ ہے کہ سکول نہ جانے والے بچوں کی اکثریت پانچ سے سولہ سال کی بچیوں پر مشتمل ہے۔ سکول نہ جانے والے دو کروڑ اٹھائیس لاکھ چالیس ہزار بچوں میں سے ایک کروڑ بیس لاکھ لڑکیاں اور ایک کروڑ لڑکے ہیں۔

تیسرا بڑا مسئلہ یہ ہے کہ تعلیم کے لیے کام کرنے والی ایک تنظیم الف اعلان کے مطابق سکول نہ جانے والے بچوں میں سے نصف سے زائد (57 فیصد) غریب ترین گھرانوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ ادارہ تعلیم و آگہی کی جانب سے جاری کی گئی رپورٹ تعلیمی رپورٹ کی سالانہ صورت حال (اے ایس ای او) 2018 کے مطابق امیر گھرانوں کی 17 فیصد بچیوں کے مقابلے میں غریب ترین گھرانوں کی 54 فیصد بچیاں سکول نہیں جاتیں، رپورٹ میں غریب ترین گھرانوں کے سکول نہ جانے والے بچوں اور بچیوں کے مابین 21 فیصد فرق کی نشاندہی کی گئی ہے۔

ایسر رپورٹ میں سکول میں بچوں کے اندراج کی شرح میں بہتری ریکارڈ کی گئی ہے، 2016 میں چھ سے سولہ سالہ بچوں کے اندراج کی شرح 81 فیصد تھی جو بڑھ کر 83 فیصد ہوگئی ہے۔ گلگت بلتستان اور وفاقی دارلحکومت اسلام آباد میں بچوں کے اندراج کی شرح سب سے زیادہ 91 فیصد ہے، پنجاب میں یہ شرح 89 فیصد، خیبر پختونخوا میں 87 فیصد، سندھ میں 86 فیصد اور بلوچستان اور خیبر پختونخوا میں حال ہی میں ضم کیے جانے والے قبائلی علاقوں میں یہ شرح 72 فیصد ہے۔ آزاد جموں و کشمیر میں یہ شرح 95 فیصد ہے۔

2016 میں تین سے پانچ سال کے بچوں کے سکول میں اندراج کی شرح 36 فیصد تھی جو 2018 میں بڑھ کر 37 فیصد ہوگئی ہے۔

ان حوصلہ افزا پیش ہائے رفت کے باوجود تعلیمی معیار میں بہتری لانا ابھی باقی ہے۔ سکول جانا اکتساب علم کے مترادف قرار نہیں دیا جاسکتا۔

تعلیم کا معیار: طلبہ میں اکتساب علم، تدریسی معیار

ملک میں حصول علم کے کیفی اشاریوں کے ضمن میں بہت کچھ کرنا باقی ہے۔ اکتساب علم کے ملک بھر کے نمائندہ تخمینے جی ای ایم 2019 کے مطابق پرائمری تعلیم مکمل کرنے والے طلبہ کا نصف ہی قرات اور حساب کتاب کی صلاحیت رکھتا ہے۔

تاہم پرائمری اور مڈل کی سطح پر اکتساب علم کی جانچ کا عمل ملک بھر میں ادارہ جاتی سطح پر اختیار کیا جانا حوصلہ افزا ہے۔ اس سلسلے میں ہونے والا آخری نیشنل اسیسمنٹ ٹیسٹ، نیشنل ایجوکیشن اسیسمنٹ سسٹم (این ای اے ایس) کے تحت 17-2016 میں منعقد کرایا گیا تھا، یہ ٹیسٹ سرکاری سکولوں کے ساتھ ساتھ نجی تعلیمی اداروں میں بھی منعقد کرایا گیا۔ چوتھی جماعت کے طلبہ سے حساب اور اردو لکھنے اور پڑھنے کا امتحان لیا گیا اور آٹھویں جماعت کے طلبہ سے سائنس اور انگریزی کے لکھنے اور پڑھنے کا امتحان لیا گیا۔

الف اعلان کی تعلیمی رپورٹ کے مطابق پنجاب، سندھ اور وفاقی دارلحکومت سے تعلق رکھنے والے چوتھی جماعت کے طلبہ نے 2016 کی قومی اوسط سے بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔ آٹھویں جماعت کے طلبہ میں صرف پنجاب کے طلبہ کی کارکردگی تینوں طرح کی امتحانوں میں قومی اوسط سے بہتر رہی۔ وفاقی دارالحکومت، آزاد جموں و کشمیر، بلوچستان اور گلگت بلتستان کے طلبہ نے صرف انگریزی زبان کے امتحان میں قومی اوسط سے بہتر کارکردگی کا

مظاہرہ کیا۔

اگر چہ پرائمری تعلیم میں حاصل کی گئی کامیابیوں کو مڈل سکول کی سطح تک وسعت نہ دی جاسکی۔ الف اعلان کی جانب سے اکتساب علم کے تخمینے کے نظام کے صوبائی سطح پر اپنائے جانے کو مثبت پیش رفت قرار دیا ہے۔ پانچویں اور آٹھویں جماعت کے لیے بیرونی آڈٹ کے ساتھ سندھ اسیسمنٹ ٹیسٹ کا آغاز 2013 میں کیا گیا، اور یہ سلسلہ 2018 تک جاری رہا۔

دیگر دو صوبوں میں سے خیبر پختونخوا میں بھی غیر جانبدار اداروں کی زیر نگرانی ٹیسٹ شروع کیے گئے۔ اس سلسلے کی پہلی مشق 2018 میں کی گئی، جن میں صرف نصف طلبہ آزمائش پر پورے اترے۔ الف اعلان کی رپورٹ کے مطابق بلوچستان میں بہتری کا عمل صرف قانون سازی اور اداروں کے قیام تک ہی محدود ہے۔ تاہم ان پالیسیوں بشمول اکتساب علم کے ٹیسٹوں کے اطلاق کا عمل کمزور رہا۔

رپورٹ کے مطابق صوبائی محکمہ تعلیم کی جانب سے منعقد کی جانے والی اکتساب علم کی امتحان تصورات کی بہتر سوجھ بوجھ اور تفہیم کی بجائے رٹا لگانے اور حفظ کرنے کی حوصلہ افزائی کرتی ہیں۔

یہ نکتہ اہم ہے کہ 2016 کے نیشنل اسیسمنٹ ٹیسٹ کے مطابق طلبہ کو گزشتہ تین برس کے دوران پڑھنے کے لیے دیے گئے اضافی مواد سے (ماسوائے پنجاب کے کہیں بھی) طلبہ کے لکھنے پڑھنے کی صلاحیتوں میں کوئی قابل ذکر بہتری نہیں آئی۔

ایسر رپورٹ 2018 نے اکتساب علم میں بہتری ریکارڈ کی ہے۔ پانچویں جماعت کے تمام صوبوں کے (اوسطاً) 52 فیصد طلبہ انگریزی جملوں کو پڑھنے کی مہارت رکھتے ہیں، 2016 میں یہ شرح 46 فیصد تھی۔ رپورٹ کے مطابق اس آزمائش میں سندھ کے طلبہ کی کارکردگی بدستور سب سے بری رہی، سندھ کے طلبہ میں یہ شرح 25 فیصد تھی۔ 56 فیصد طلبہ اردو، پشتو یا سندھی میں کہانی پڑھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، 2016 میں یہ شرح 52 فیصد تھی۔ اس امتحان میں آزاد جموں وکشمیر، وفاقی دارالحکومت اور پنجاب کے طلبہ کی کارکردگی سب سے بہتر تھی، سندھ کی کارکردگی 43 فیصد کے ساتھ سب سے بری رہی، قبائلی علاقے (جنہیں اب خیبر پختونخوا میں ضم کر دیا گیا ہے) اس سے قبل آخری نمبر پر تھے۔ اس بار قبائلی علاقوں کے طلبہ کی کامیابی کی شرح 46 فیصد تھی۔

تدریسی معیار: سیکھنے کے عمل میں معیاری تدریس نہایت اہم ہے۔ 2018 میں شائع ہونے والی رپورٹوں میں تدریسی معیار میں بہتری کے ساتھ ساتھ ایسے امور کی نشاندہی کی گئی ہے جہاں بہتری کی گنجائش موجود ہے۔

الف اعلان کی رپورٹوں میں تمام صوبوں میں قابلیت کی بنیاد پر اساتذہ کی بھرتی کو ایک مثبت پیش رفت قرار دیا گیا ہے۔ قومی ٹیسٹنگ سروس (این ٹی ایس) کے امتحانات کے ذریعے انتخاب کے لیے اساتذہ کی قابلیت جانچی جاتی ہے اور ان کی چھانٹی کی جاتی ہے۔ تاہم ترقی کے مدارج تاحال کارکردگی کی بجائے سنیارٹی سے وابستہ ہیں۔

اسی طرح این اے ٹی کی رپورٹ نے اساتذہ کی تعلیمی اور پیشہ ورانہ قابلیت اور انہیں تفویض کردہ درجوں

کے مابین عدم مطابقت کی نشاندہی کی ہے۔ مثال کے طور پر پرائمری اور مڈل سکول کے زیادہ تر اساتذہ اپنی ملازمت کے لیے درکار اہلیت سے زیادہ قابلیت کے حامل ہیں جو ملازمت کے دیگر مواقع کی عدم موجودگی میں تدریس کے پیشے سے وابستہ ہو گئے ہیں۔ رپورٹ کے مطابق ایسے اساتذہ تنخواہوں میں خاطر خواہ اضافے اور سروس سٹرکچر کی عدم موجودگی میں اس پیشے میں دلچسپی لینے کو تیار نہیں ہوں گے۔

تدریسی معیار میں بہتری کے لیے ضروری ہے کہ مختلف درجوں میں پڑھانے والے اساتذہ کی صلاحیتوں کو بھی مدنظر رکھا جائے۔ پاکستان کے تعلیمی اعداد و شمار 17-2016 کی رپورٹ میں پرائمری تعلیم اور تدریسی عملے کے ضمن میں تشویشناک اعداد و شمار سامنے آئے تھے۔ رپورٹ کے مطابق 57 فیصد پرائمری سکولوں میں دو اساتذہ ہیں، جبکہ قریب 44 فیصد سکولوں میں تمام جماعتوں کے لیے صرف ایک ہی استاد تعینات ہے۔

سکولوں کی عمارتیں اور سہولیات

ملک بھر میں سکولوں کی عمارات کی تعمیر اور سہولیات کی فراہمی کے ضمن میں خاطر خواہ بہتری آئی ہے، الف اعلان کی صوبائی رپورٹ میں دیئے گئے اعداد و شمار کا تجزیہ کیا جائے تو یہ بات عیاں ہے کہ سکولوں میں حصول علم کے لیے سازگار ماحول فراہم کرنے کے لیے اسی راستے پر گامزن رہنا ضروری ہے۔

پاکستان کے تعلیمی اعداد و شمار پر مبنی 2018 کی رپورٹ کے مطابق ملک کے 7.5 فیصد سکولوں جن کی اکثریت دیہی علاقوں میں قائم ہے عمارت سے محروم ہیں۔ علاوہ ازیں 9.5 فیصد سکولوں کی عمارات عارضی ہیں اور گارے یا گھاس پھوس وغیرہ سے بنی ہوئی ہیں۔

دیہی علاقوں میں کئی سکول ابھی بھی عمارت کے بغیر چل رہے ہیں

رپورٹ کے مطابق 30 فیصد سے کچھ زائد سکول تاحال بجلی، پینے کے پانی اور طہارت خانوں سے محروم ہیں، یہ بحران بلوچستان میں بے حد سنگین ہے جہاں تین چوتھائی سکول بجلی سے، 40 فیصد پینے کے پانی سے اور 64 فیصد طہارت خانوں سے محروم ہیں۔

ایسر رپورٹ کے مطابق 32 فیصد سرکاری سکولوں میں استعمال کے قابل پانی موجود نہیں، 42 فیصد میں طہارت خانے موجود نہیں اور تیس فیصد کی چار دیواری موجود نہیں۔ 11 فیصد نجی سکولوں میں استعمال کے قابل پانی نہیں، 13 فیصد طہارت خانوں سے محروم ہیں اور 20 فیصد کے گرد چار دیواری نہیں۔

نصاب

جی ای ایم رپورٹ انسانی حقوق، صنفی مساوات، پائیدار ترقیاتی اہداف اور عالمی شہریت سے متعلق شامل مواد کے ضمن میں تمام رکن ممالک کے نصاب کا جائزہ لیتی ہے۔ 2019 کی رپورٹ کے مطابق پچھلے ایک سال کے دوران پاکستانی نصاب میں اس ضمن میں کسی قسم کی کوئی قابل ذکر بہتری نہیں آئی۔

گزشتہ سالوں کی طرح پاکستان کے نصاب میں صنفی مساوات، پائیدار ترقیاتی اہداف اور عالمگیر شہریت کو فروغ دینے والے مواد کی شرح کم جبکہ انسانی حقوق پر مواد کی موجودگی کی شرح بلند رہی۔

نصابی اصلاحات کے لیے کوئی بڑا منصوبہ شروع نہیں کیا جاسکا۔ رخصت ہونے والی پاکستان مسلم لیگ نواز حکومت کے نصاب میں بہتری کے لیے کیے گئے اقدامات وفاقی دارالحکومت تک محدود تھے۔

نومبر میں، پاکستان تحریک انصاف کی حکومت نے قومی نصابی کونسل قائم کرنے کا اعلان کیا۔ اس کونسل کا مقصد ملک بھر کے سکولوں میں یکساں نصاب تعلیم متعارف کرانا تھا۔ سال کے اختتام تک کونسل کے قیام میں کسی قسم کی پیش رفت دیکھنے کو نہیں ملی۔ سابقہ حکومتوں کی جانب سے بھی ایسے ہی اعلانات کیے جاتے رہے ہیں، جن پر عملدرآمد کی نوبت کبھی نہیں آئی۔

سکولوں کی سکیورٹی

جی ای ایم رپورٹ نے پاکستان کو ان ممالک میں رکھا ہے جہاں تعلیمی سہولیات بڑے پیمانے پر حملوں کی زد میں ہیں، یا تعلیمی ادارے فوجی دستوں کے استعمال میں ہیں۔

رپورٹ میں فوجی کارروائیوں کی زد میں آنے والے بلوچستان اور سابقہ فاٹا کے علاقوں میں قائم سکولوں کی خاتون اساتذہ کی مشکلات کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے۔ ان علاقوں سے بے گھر ہونے والی خواتین اساتذہ کے ساتھ کیے گئے انٹرویوز سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ یہ استانیاں خوف کی وجہ سے اپنے علاقوں کو لوٹنے کو تیار نہیں۔

2018 میں عسکریت پسندوں نے متعدد سکولوں کو نشانہ بنایا۔ ایسا سب سے بڑا حملہ گلگت۔ بلتستان کے علاقے دیامیر میں رپورٹ کیا گیا جہاں عسکریت پسندوں نے 12 سکولوں کو، جن میں سے زیادہ تر لڑکیوں کے سکول

تھے، نذر آتش کر دیا۔ اس قسم کے دیگر واقعات خیبر کے قبائلی علاقوں میں واقع تیراہ، خیبر پختونخوا کے ضلع چترال اور بلوچستان کے ضلع پشین میں رپورٹ کیے گئے۔

گلگت بلتستان کے سکولوں پر حملے پر ہیومن رائٹس واچ کی جانب سے ایک نوٹ جاری کیا گیا۔ نوٹ میں اس امر کی نشاندہی کی گئی کہ عسکریت پسندی کے خلاف پاکستانی جنگ میں تعلیمی ادارے 2004 سے صف اول میں شامل رہے ہیں جب ضلع دیامیر کے نو سکولوں کو تباہ کر دیا گیا تھا۔ ایچ آر ڈبلیو نے وفاقی حکومت پر زور دیا تھا کہ وہ تعلیمی اداروں کی سکیورٹی کی ذمہ داری قبول کرے، اور حکومت یہ ذمہ داری صوبوں یا سکول انتظامیہ کے کندھوں پر نہیں ڈال سکتی۔

2018 میں سکولوں کیے گئے سکولوں کے سیکیورٹی آڈٹ نے بھی ان تحفظات کی تصدیق کی ہے۔ صرف اے پلس کے زمرے میں آنے والے پنجاب کے سکولوں میں (جہاں پانچ سو سے زائد طلبہ موجود ہیں یا جن کی ملکیت غیر ملکی افراد یا اداروں کے پاس ہے) سیکیورٹی کے شدید نقائص پائے گئے۔

جسمانی سزا

جسمانی سزا کے خلاف عالمی مہم نے پاکستان سے متعلق اپنی ملکی رپورٹ دسمبر 2018 میں جاری کی۔ رپورٹ میں جسمانی سزا کو جواز فراہم کرنے والے متنازعہ آرٹیکل 89 میں ترمیم کی ضرورت کو نمایاں کیا گیا ہے۔ آرٹیکل 89 سرپرست یا قانونی طور مجاز افراد (اساتذہ) کے بچوں کی بھلائی کے لیے انہیں سزا دینے کے اختیار کو قانونی تحفظ فراہم کرتا ہے۔

سندھ حکومت پہلے ہی جسمانی سزا کے امتناع کا قانون 2016 منظور کر چکی ہے۔ لاہور ہائی کورٹ کے حکم پر جنوری 2018 میں سرکاری اور نجی سکولوں میں جسمانی سزا پر پابندی کا نوٹیفیکیشن جاری کیا گیا تھا۔ پشاور ہائی کورٹ کی جانب سے بھی خیبر پختونخوا حکومت کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ جسمانی سزا کے خاتمے کے لیے موزوں قانون سازی کرے۔ جس کے نتیجے میں خیبر پختونخوا کابینہ نے سرکاری اور نجی سکولوں میں جسمانی سزا کو غیر قانونی قرار دینے کے لیے ایک قانون کا مسودہ اپریل 2018 میں منظور کیا تھا۔ قانون کی خلاف ورزی کی صورت میں چھ ماہ تک قید یا پچاس ہزار تک جرمانے یا دونوں سزائیں تجویز کی گئی ہیں۔ قانون نئی اسمبلی میں پیش کیے جانے اور منظور کیے جانے کا منتظر ہے۔

ان نوٹیفیکیشنز اور عدالتی ہدایات کے باوجود اساتذہ کی جانب سے پنجاب، خیبر پختونخوا اور دیگر صوبوں سے بچوں کو جسمانی سزا دیئے جانے کی اطلاعات سامنے آتی رہی ہیں۔ جہاں بچے اساتذہ کے ناقابل بیان تشدد کا نشانہ بنتے رہے۔

جولائی 2018 میں لاہور کے شالیمار کے علاقے میں قائم ایک مدرسے کے استاد کے تشدد سے ایک سات سالہ بچہ جاں بحق ہو گیا تھا۔ ستمبر 2018 میں گورنمنٹ گرلز مڈل سکول ساہیوال کی ایک طالبہ کو اساتذہ کے لیے

مخصوص طہارت خانہ استعمال کرنے پر مارا گیا۔ طالبہ کے اعضائے مخصوصہ پر شدید چوٹیں آئیں، جن کے لیے متعدد ٹانکے لگانے پڑے۔ پولیس نے مقدمہ درج کرنے سے انکار کرتے ہوئے بچی کے والد کو کسی قسم کی مزید کارروائی سے منع کیا۔ اسی ماہ نارووال میں ایک چار سالہ بچے کو استاد کی مار پیٹ کے نتیجے میں ہسپتال لے جانا پڑا۔ ستمبر میں ہی علی اینجل سکول، تلہ گنگ، چکوال کے پرنسپل کی ایک ویڈیو سامنے آئی جس میں وہ چھڑی سے ایک بچے کی پٹائی کر رہے تھے۔

اس سے ایک ماہ قبل چترال کے ایک سکول کے استاد کی ویڈیو سامنے آئی تھی جس میں بچوں کو بری طرح سرعام مارا پیٹا جا رہا تھا۔ مئی میں بھی کیڈٹ کالج مستونگ کے ایک استاد کی ویڈیو سامنے آئی تھی جس میں وہ چھڑی سے طلبہ کو بری طرح پیٹ رہے تھے۔ بالائی متوسط طبقے کے خاندانوں کے لڑکوں کے لیے مخصوص لاہور کے ایک نجی سکول سے متعلق سماجی رابطوں کی ویب سائٹس پر ایک مہم شروع کی گئی تھی۔ متعدد سابق طلبہ کی جانب سے سکول کے پرنسپل پر کمرہ جماعت اور کیمپس میں جسمانی سزا کے کلچر کو فروغ دینے کا الزام عائد کیا گیا۔

نجی سکولوں کی باضابطگی۔ ایک گہرے بحران کی علامات

اگرچہ ملک بھر میں بچوں کی اکثریت سرکاری سکولوں میں تعلیم حاصل کر رہی ہے مگر بچوں کی ایک قابل ذکر تعداد نجی سکولوں میں بھی پڑھ رہی ہے۔ ایسر رپورٹ میں بچوں کے اندراج کے حوالے سے تبدیلی کا انکشاف کیا گیا ہے۔ سکول جانے والے بچوں کا 77 فیصد سرکاری سکولوں جبکہ 23 فیصد نجی سکولوں میں تعلیم حاصل کر رہا ہے، 2016 میں یہ شرح بالترتیب 74 فیصد اور 26 فیصد تھی۔

فیسوں میں اضافہ: یہ حقیقت واضح ہے کہ سرکاری سکول (جنہیں صوبائی محکمہ تعلیم چلاتا ہے) آبادی کی ضروریات پوری کرنے کے لیے ناکافی ہیں۔ تاہم گزشتہ چند برس کے دوران نجی تعلیمی اداروں کی فیسوں میں اضافہ سرکاری تعلیمی پالیسی کے لیے ایک اہم مسئلہ بن چکا ہے۔ ملک بھر میں ہونے والے احتجاج کے پیش نظر نجی سکولوں کی فیسوں کو قابو میں رکھنے کے لیے صوبائی حکومتوں کی جانب سے متعدد آرڈیننس جاری کیے گئے ہیں۔ بالآخر یہ معاملہ عدالتوں تک پہنچا۔ دسمبر میں لاہور، سندھ اور پشاور ہائی کورٹس کے فیصلوں پر اپیلوں کی سماعت کرتے ہوئے سپریم کورٹ آف پاکستان کی جانب سے ایک عبوری حکم میں 5000 یا اس سے زائد فیس وصول کرنے والے سکولوں سے اپنی فیسیں 20 فیصد کم کرنے کی ہدایت کی گئی۔

یہ امر اہم ہے کہ عدالت میں زیر سماعت مقدمات میں تعلیم کو بنیادی حق قرار دینے والی آئین کی شق 25 اے نہیں بلکہ آئین کی شق 18 کے تحت نجی سکولوں کے لیے کاروبار کی آزادی کا معاملہ زیر بحث ہے۔ عدالتی حکم کا اطلاق اشرافیہ اور بالائی متوسط طبقے کی تعلیمی ضروریات پوری کرنے والے سکولوں کی قلیل تعداد پر ہوتا ہے۔ حقوق کے تناظر میں نجی سکولوں کی فیسوں پر نظر رکھنے کا معاملہ یہ ثابت کرنے کو کافی ہے کہ ریاست ادارہ جاتی سطح پر پانچ سے سولہ برس کی عمر کے بچوں کو تعلیم فراہم کرنے سے قاصر ہے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ریاست، تعلیم کو ایک حق

کے طور پر دیکھنے کے لیے درکار سیاسی ارادے سے بھی محروم ہے۔

سکول کا مقام: مخصوص مقاصد کے لیے زمین کی تقسیم سے متعلق قواعد کی عدم موجودگی کے باعث گزشتہ دو دہائیوں کے دوران نجی سکولوں کی ایک بڑی تعداد رہائشی علاقوں میں قائم ہوئی تھی۔ اسلام آباد اور کراچی میں 2018 کے دوران سکول انتظامیہ اور حکام کے مابین یہ معاملہ باعثِ نزاع رہا۔ کیپٹل ڈویلپمنٹ اتھارٹی نے جولائی میں اسلام آباد ہائی کورٹ کے ایک حکم کے نتیجے میں ایسے سکول بند کر دیئے تھے۔ یہ اقدامات گرمیوں کی چھٹیوں کے دوران کیے گئے تھے اور اگست میں سپریم کورٹ کے حکم پر یہ سکول دوبارہ کھول دیئے گئے تھے، جس کی وجہ سے تعلیمی سرگرمیاں متاثر ہونے سے بچ گئیں۔

اسی طرح سے، کراچی کے رہائشی علاقوں میں قائم سکولوں کو بھی اپنی جگہ بدلنے یا کمرشلائزیشن فیس ادا کرنے کے نوٹس جاری کیے گئے۔ مسئلے کا حل نکالنے کے لیے سال کے اختتام تک سندھ میں صوبائی حکام اور اسلام آباد میں سی ڈی اے حکام کے مابین مذاکرات جاری تھے۔

سکولوں کی بندش

نومبر میں انتہائی دائیں بازو کی ایک مذہبی جماعت کے ملک گیر احتجاج کے دوران ملک بھر میں سکول بند رہے اور امتحانات ملتوی کر دیئے گئے۔

علاوہ ازیں، اس برس بعض علاقوں میں اساتذہ کی انجمن اور نجی سکولوں کی انتظامیہ کی طرف سے ہڑتال کی وجہ سے بھی تعلیمی سرگرمیاں متاثر ہوئیں۔ تنخواہوں کی عدم ادائیگی اور سرس سٹرکچر کی عدم موجودگی کے خلاف حیدرآباد اور مہمند میں ہونے والی اساتذہ کی ہڑتال کے باعث سکول بند رہے۔ خیبر پختونخوا میں نجی تعلیمی اداروں سے متعلق ایک مجوزہ قانون کے خلاف احتجاج کے باعث سکول کئی روز تک بند رہے۔

افغان مہاجرین کا معاملہ

جی ای ایم رپورٹ 2019 کا موضوع نقل مکانی اور مہاجرت تھے۔ پاکستان میں افغان مہاجرین کے بچوں کی مخدوش تعلیمی حالت سے متعلق خصوصی نوٹ شامل ہے۔ افغان مہاجرین کے بچوں میں بھی لڑکیوں کی سکول تک رسائی اور خواندگی شرح لڑکوں کے مقابلے کم رہی۔ خواتین مہاجرین میں خواندگی کی شرح افسوسناک حد تک کم (8 فیصد) ہے جبکہ بالغ مردوں میں یہ شرح 33 فیصد ہے۔ اسی طرح بچیوں میں سکول کے اندراج کی شرح لڑکوں کے مقابلے میں نہایت کم ہے، لڑکیوں میں یہ شرح آٹھ فیصد جبکہ لڑکوں میں 39 فیصد ہے۔

جی ای ایم رپورٹ میں اس امر کی بھی نشاندہی کی گئی ہے کہ باوجود اس کے کہ افغان مہاجرین کی دوسری نسل پاکستان میں نشوونما پا رہی ہے، ان مہاجرین کے بچوں کو تعلیم دینے والے بیشتر سکولوں میں افغان نصاب پڑھایا جا رہا ہے، جس کے باعث ان بچوں کو ملک کے معاشی اور سیاسی خاکے سے ہم آہنگ ہونے میں دشواری پیش آتی ہے۔

اعلیٰ تعلیم ۔ داخلے اور اخراجات

اعلیٰ تعلیمی شعبے میں طلبہ کے اندراج کی کم تر اور روبہ زوال شرح ایک مستقل مسئلہ ہے۔ پاکستان میں یہ شرح دس فیصد ہے جو اس خطے کے بیشتر دیگر ممالک کے مقابلے میں نہایت کم ہے۔ مشرق میں واقع بھارت میں یہ شرح 27 فیصد ہے جو 30 فیصد کی عالمی شرح کے قریب تر ہے۔ ہمارے مغربی ہمسائے ایران میں یہ شرح حیران کن حد تک 68 فیصد ہے۔

2018 میں حکومت کی تبدیلی کی وجہ سے اس نہایت اہم شعبے پر سرکاری اخراجات بری طرح متاثر ہوئے۔ مسلم لیگ نواز حکومت کی جانب سے وفاقی کمیشن برائے اعلیٰ تعلیم کے ترقیاتی اخراجات کے لیے 35 ارب 80 کروڑ رکھے گئے تھے۔ یہ رقم اگرچہ گزشتہ برس اس مد میں مخصوص کی گئی رقم کے برابر ہی ہے تاہم اصل اخراجات کے تناظر میں یہ درست سمت میں ایک اہم قدم تھا۔ 18-2017 کے دوران اس مد میں 32 ارب 90 کروڑ روپے خرچ کیے گئے تھے۔ پی ٹی آئی حکومت نے اکتوبر میں اپنے وسط مدتی بجٹ میں یہ رقم کم کر کے 30 ارب روپے کر دی تھی۔

طلبہ و اساتذہ کی بہبود

ملک کی مختلف سرکاری جامعات میں طلبہ اور اساتذہ کے احتجاجی مظاہروں کی خبریں سامنے آتی رہیں جن سے اعلیٰ تعلیم کی مخدوش صورت حال کی عکاسی ہوتی ہے۔ فیسوں میں اضافے (یونیورسٹی آف پشاور)؛ انتظامیہ کی جانب سے پیشہ ورانہ تعلیم کے متعلقہ اداروں سے منظوری حاصل کرنے میں ناکامی (یونیورسٹی آف سرگودھا لاہور ذیلی کیمپس اور وفاقی اردو یونیورسٹی شعبہ فارمیسی)؛ وائس چانسلر کی عدم تعیناتی (یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی ٹیکسلا)؛ اور وائس چانسلر کی جانب سے اختیارات کے غلط استعمال (قائداعظم یونیورسٹی) جیسے مسائل پر احتجاجی مظاہرے ہوئے۔

لاہور میں قائم انفارمیشن ٹیکنالوجی یونیورسٹی کے سابقہ حکومت کے دور میں تعینات ہونے والے وائس چانسلر کو عہدے سے ہٹا دیا گیا، جس کے باعث طلبہ کا مستقبل اور ان کی تحقیق کا کام کھٹائی میں پڑ گیا۔ سال کے اختتام تک مستقل وائس چانسلر کی تعیناتی نہ ہونے کے باعث یونیورسٹی 90 کے قریب محققین کے معاہدوں کی تجدید کرنے سے قاصر رہی۔

گزشتہ برس کراچی یونیورسٹی سندھ کے اساتذہ اور صوبائی حکومت کے درمیان تنخواہوں کی ادائیگی میں تاخیر اور سروس سٹرکچر کی عدم موجودگی کے باعث تنازعات چلتے رہے۔ مئی اور اگست میں ہڑتالیں کی گئیں اور کلاسوں کا بائیکاٹ کیا گیا۔

یونیورسٹی ایکٹ 1973 میں کی گئی ایک متنازع ترمیم بھی جامعہ کراچی میں احتجاج کی وجہ بنی۔ طویل احتجاج کے بعد حکومت نے اساتذہ کی انجمنوں کے بعض مطالبات تسلیم کر لیے مثال کے طور پر داخلوں کی پالیسی پر

اکیڈمک کونسل کا حتمی اختیار تسلیم کرلیا گیا۔ تاہم اساتذہ کے ایک دھڑے کی جانب سے اس قانون کی مخالفت جاری رہی۔ مخالفت کرنے والوں کے مطابق یہ قانون یونیورسٹی سنڈیکیٹ میں طاقت کا توازن وزیر اعلیٰ کے نامزد اراکین کے حق میں جھکا دیتا ہے جس کی وجہ سے تعلیمی امور میں حکومتی مداخلت کی راہ ہموار ہوتی ہے۔ اس دھڑے کی جانب سے سنڈیکیٹ میں طلبہ نمائندگی سے متعلق شق ختم کرنے کی بھی مخالفت کی گئی۔

سروس سٹرکچر کی عدم موجودگی کے خلاف پنجاب بھر کے ڈگری کالجوں کے تدریسی عملے نے بھی احتجاج کیا۔

گزشتہ برس طلبہ کے لیے سازگار اور محفوظ تعلیمی ماحول کی عدم موجودگی بڑے پیمانے پر جنسی ہراسانی کے واقعات اور طلبہ کی خودکشیوں کی اطلاعات سے واضح ہے۔ نمایاں نجی اور سرکاری جامعات میں جنسی ہراسانی کے واقعات رپورٹ کیے گئے۔ شکایت کنندگان کی جانب سے جنسی ہراسانی کے تدارک کے لیے ادارہ جاتی نظام کی عدم موجودگی اور انتظامیہ کی جانب سے ہراسانی کرنے والوں کو تحفظ فراہم کرنے کی شکایت کی گئی۔ فیصل آباد، چترال اور پشاور میں قائم جامعات سے خراب تعلیمی کارکردگی پر خودکشیوں کی اطلاعات موصول ہوئیں۔ سماجی رابطوں کی ویب سائٹس پر چلنے والی ایک مہم میں، لاہور کی ایک نجی یونیورسٹی میں ہونے والی ایک خودکشی کا تعلق ذہنی دباؤ کے ساتھ جوڑا گیا۔ مہم کے دوران یونیورسٹی کیمپس میں نفسیاتی معالج سے مشاورت کی ناکافی سہولیات کی بھی نشاندہی کی گئی۔

طلبہ نمائندگی کا فقدان

گزشتہ برس بھی سرکاری جامعات میں طلبہ یونینوں کی بحالی کے لیے کسی قسم کے اقدامات نہیں کیے گئے۔ دنیا کی تمام جمہوری ریاستوں میں طلبہ یونینیں کیمپس کے انتظامی معاملات میں طلبہ کو نمائندگی دینے کا اہم پلیٹ فارم ہیں۔ گزشتہ برسوں میں یہ معاملہ پارلیمان میں اٹھایا جاچکا ہے۔ سندھ اسمبلی اور سینٹ میں ان یونینوں کی بحالی کے حق میں قراردادیں منظور کی جاچکی ہیں، ایچ ای سی کے سربراہ بھی طلبہ یونین پر پابندی ختم کرنے کی حمایت کر چکے ہیں۔ تاہم اس ضمن میں کسی قسم کے ٹھوس اقدامات نہیں کیے گئے۔

اس پابندی کے نتیجے میں سیاسی تنظیموں کے طلبہ دھڑے مضبوط ہوئے ہیں۔ 2018 کے دوران سیاسی جماعتوں سے وابستہ طلبہ گروہوں کے درمیان پنجاب یونیورسٹی اور قائداعظم یونیورسٹی میں مسلح تصادم ہوئے جن سے تعلیمی سرگرمیاں بری طرح متاثر ہوئیں۔

انتظامی اداروں میں طلبہ کی نمائندگی نہ ہونے کی وجہ سے تعلیمی اداروں کی انتظامیہ کا رویہ آمرانہ ہے۔ اس آمریت کا اظہار اخلاقی قدغنیں لگانے کی صورت میں بھی نکلتا ہے جس سے خاص طور پر طالبات کے حقوق بری طرح متاثر ہوتے ہیں۔ 2018 میں پنجاب یونیورسٹی کی انتظامیہ نے بلوچستان سے تعلق رکھنے والے طلبہ کے لیے مختص وظائف کے کوٹے میں پچاس فیصد کمی کر دی، یہ وظائف مسلم لیگ نواز کی حکومت نے 2012 میں شروع کیے تھے۔ یونیورسٹی انتظامیہ کے اس یکطرفہ فیصلے سے سالانہ وظائف کی تعداد 100 سے کم ہو کر 53 رہ گئی، جس کی وجہ سے ملک کے مغربی صوبے کے پسماندہ علاقوں سے تعلق رکھنے والے بہت سے مستحق طلبہ اعلیٰ تعلیم کی سہولت سے محروم ہو گئے۔

لاہور کی معروف یونیورسٹیوں کے طالب علموں نے طلباء یونینوں کی بحالی کے لیے ریلی نکالی

سفارشات

☆ خواندگی کی شرح بہتر بنانے کے لیے قومی مہم شروع کرنے پر غور کیا جائے۔

☆ تعلیم پر سرکاری خرچ میں اضافہ کیا جائے اور اس ضمن میں بلوچستان، وفاق کے زیر انتظام سابقہ قبائلی علاقوں، آزاد جموں و کشمیر اور دیہی سندھ اور پنجاب پر خصوصی توجہ دی جائے۔

☆ ایک حتمی مدت کے لیے قومی نصابی کونسل کا فوری قیام عمل میں لایا جائے، جس کا اعلان حکومت نے کیا ہے۔ اس کونسل میں ماہرین تعلیم اور پالیسی سازی اور تحقیق کے شعبے سے وابستہ افراد کو بھی نمائندگی دی جائے۔

☆ تعلیم کی نجکاری کا رجحان کم کرنے کے لیے سرکاری سکولوں کا معیار بہتر بنایا جائے، اور یہ یقینی بنایا جائے کہ ریاست تمام بچوں کو معیاری اور سستی تعلیم فراہم کرنے کی اپنی آئینی ذمہ داری پوری کرے۔

☆ اشرافیہ کے نجی سکولوں کو پابند کیا جائے کہ وہ ہر جماعت میں قابلیت کی بنیاد پر کم آمدن والے طلبہ کے لیے نشستیں مخصوص کریں۔

☆ اعلیٰ تعلیمی کمیشن کی کارکردگی کا جائزہ لیا جائے، اور کمیشن کے طریق کار کو مزید شفاف بنانے کے لیے اس کے موجودہ تنظیمی ڈھانچے پر نظرثانی کی جائے۔

☆ طلبہ یونینیں بحال کی جائیں، اور خواتین، قومیتی اور مذہبی اقلیتوں کی مساوی نمائندگی کے ساتھ انتظامی معاملات میں فعال شرکت کا موقع دیا جائے۔

☆ سرکاری تعلیمی اداروں میں لی جانے والی فیسوں کا جائزہ لیا جائے تاکہ اس بات کا اندازہ لگایا جاسکے کہ آیا ہر قسم

کے گھرانوں سے تعلق رکھنے والے بچوں کو اعلیٰ تعلیم کی سہولیات تک رسائی حاصل ہے کہ نہیں۔

☆ بلوچ طلبہ کے لیے جامعہ پنجاب میں کوٹہ بحال کیا جائے۔ علاوہ ازیں پاکستان بھر کی جامعات میں کم آمدن والے طبقات سے تعلق رکھنے والے بچوں کے لیے وظائف کا سلسلہ شروع کیا جائے۔

☆ اساتذہ کے احتجاج کی اصل وجوہ کے حل کے لیے، کام کرنے کے حالات اور سروس سٹرکچر سے متعلق ان کے تحفظات کا جائزہ لیا جائے۔

☆ جنسی ہراسانی کی شکایات کے حل کے لیے تعلیمی اداروں میں خصوصی نظام قائم کیا جائے اور ذہنی دباو اور تعلیمی ذمہ داریوں سے نبردآزما طلبہ کے لیے نفسیاتی معالج سے مشاورت کی سہولیات فراہم کی جائیں۔

☆ قانون سازی کے ذریعے تمام صوبوں میں جسمانی سزا کی ہر قسم پر پابندی عائد کی جائے۔

معاشی اور سماجی حقوق

صحت

جنس، ذات، رنگ اور نسل کے امتیاز سے بالاتر، ریاست عوام کی فلاح اور بہبود کو یقینی بنائے گی اور ایسے تمام افراد کو بنیادی ضروریات زندگی۔۔۔مثلاً طبی سہولیات۔۔۔فراہم کرے گی جو بے روزگاری، بیماری یا معذوری کی بنا پر مستقلاً یا عارضی طور پر روزی کمانے کے قابل نہیں۔

آئین پاکستان
[آرٹیکل 38-(الف) اور (د)]

ہر شخص ایک معقول معیار زندگی پر حق رکھتا ہے جو اس کی اور اس کے خاندان کی صحت اور فلاح و بہبود کی ضمانت فراہم کر سکے۔ جس میں خوراک، لباس، رہائش، صحت برقرار رکھنے کی سہولیات، ضروری سماجی خدمات [بجلی، پانی، گیس وغیرہ] اور بے روزگاری، بیماری، معذوری، بیوگی، بڑھاپے یا ایسے حالات کے تحت جو اس کے بس سے باہر ہوں اور عدم روزگار کی کسی بھی صورت کے خلاف ضمانتیں بھی شامل ہیں۔

انسانی حقوق کا عالمی منشور
[آرٹیکل 25(1)]

لوگوں کو صحت کی معیاری اور سستی سہولیات فراہم کرنا ریاست کی ذمہ داری ہے۔ صحت کے نظام پر بیماریوں کا بوجھ کم کرنے کی خاطر بیماریوں سے بچاؤ کی تدابیر پر توجہ دینا بھی ریاست کا فریضہ ہے تاکہ مریضوں کے علاج معالجے پر آنے والے اخراجات کو کم کیا جا سکے۔

آئین پاکستان کے مطابق بھی شہریوں کو صحت کی سہولیات کی فراہمی ریاست کی بنیادی ذمہ داری ہے۔ لیکن حقیقت اس سے بہت مختلف ہے۔ پاکستانی آبادی کے ایک محدود حصے کو صحت کی سرکاری سہولیات تک رسائی حاصل ہے، جبکہ بقیہ آبادی کو نجی شعبے کی خدمات پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔ نجی ہسپتالوں میں علاج بے حد مہنگا اور آبادی کی ایک بڑی تعداد کی استطاعت سے باہر ہے۔ نتیجتاً، کسی اور متبادل کی عدم موجودگی میں لوگوں کی ایک بڑی تعداد عطائیوں اور غیر سند یافتہ طبیبوں سے رجوع پر مجبور ہے جس کی وجہ سے اکثر ایسے افراد کے امراض مزید پیچیدگیوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔

دیہی علاقوں میں صورتِ حال اور بھی بدتر ہے جہاں آبادیاں ہسپتالوں اور بنیادی صحت کے مراکز سے

بہت فاصلے پر واقع ہوتی ہیں۔ افسوس ناک امر یہ ہے کہ صحتِ عامہ کے ان مراکز کی بڑی تعداد ضروری آلات سے محروم ہے اور جہاں کہیں آلات موجود ہیں اکثر ناکارہ حالت میں ہوتے ہیں، گویا ان مراکز تک رسائی رکھنے والے افراد کو بھی علاج معالجے کی مناسب سہولت میسر نہیں۔

پاکستان، اقوامِ متحدہ کے پائیدار ترقیاتی اہداف 2030 کا دستخط کنندہ ہے، اور صحت عامہ کی سہولیات اور بنیادی ڈھانچے میں سرمایہ کاری اِس ایجنڈے کا اہم جزو ہے۔ یہاں یہ بات نوٹ کرنا اہم ہے کہ کفایت شعاری اور بجٹ کٹوتیوں سے پہلے سے نظرانداز شُدہ صحت کے شعبے کو فائدہ نہیں پہنچتا۔

مختلف رپورٹوں اور جائزوں سے پتا چلتا ہے کہ ٹی بی، ملیریا، ڈینگی بخار، ٹائیفائیڈ، وبائی یرقان، ہیضہ، خسرہ اور ایسے دوسرے بہت سے وبائی امراض پر 2018 میں قابو نہیں پایا جا سکا جبکہ امراضِ قلب، ذیابیطس، بلند فشارِ خون اور سرطان کی مختلف اقسام جیسے غیر متعدی امراض میں بھی اضافے کا رجحان دیکھا گیا ہے۔

اس غیر اطمینان بخش صورتحال کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ صحت کے شعبے پر ملکی اخراجات جی-ڈی-پی کے ایک فیصد سے بھی کم ہیں، جبکہ عالمی ادارہ صحت کے مطابق یہ اخراجات تقریباً 6 فیصد ہونے چاہئیں۔

صحتِ عامہ

پاکستان میں صحتِ عامہ کی سہولیات کا معیار اور ان سہولیات سے مستفید ہونے والے افراد کی تعداد غیر تسلی بخش ہے۔ عالمی ادارہ صحت کے مطابق صحت کے شعبے میں پاکستان کم آمدنی والے ممالک کے لیے مقررہ حد (86 ڈالر فی کس سالانہ) کے نصف سے بھی کم خرچ کرتا ہے۔

صحت کی سرکاری سہولیات کا دائرہ محدود ہونے کی وجہ سے عوام کا زیادہ تر انحصار نجی شعبے پر ہے، یہی وجہ ہے کہ پاکستان ایسے ممالک میں سرِ فہرست ہے جہاں علاج معالجے پر اپنی جیب سے خرچ کرنے والے افراد کی شرح بے حد زیادہ ہے۔ نجی شعبے میں صحت پر خرچ ہونے والی رقم کا 87 فیصد عام لوگوں کی جانب سے علاج معالجے کی سہولیات پر کیے جانے والے براہ راست اخراجات پر مشتمل ہے۔

ایسا اس حقیقت کے باوجود ہے کہ گزشتہ کچھ سالوں میں صحتِ عامہ اور علاج معالجے کی سہولیات فراہم کرنے والے اداروں میں سرمایہ کاری میں مبینہ طور پر نمایاں اضافہ دیکھا گیا ہے۔ 2017-2018 کے معاشی سروے کے مطابق سال 2017 تک سرکاری سطح پر 1209 ہسپتال، 5,505 بنیادی صحت کے مراکز، 688 دیہی مراکز صحت، 5,654 ڈسپنسریاں، زچہ و بچہ کی صحت کے 727 مراکز اور 431 ٹی بی سینٹر قائم تھے۔ سرکاری ہسپتالوں میں 126,019 بستر ہیں۔ 208,007 ڈاکٹروں، 20,463 دندان سازوں اور 103,777 نرسوں کے ہمراہ صحت کی دستیاب سہولیات کے مطابق 957 افراد کے لئے ایک ڈاکٹر، 9730 افراد کے لئے ایک دندان ساز اور 1,600-1,500 افراد کے لئے ہسپتال میں ایک بستر موجود ہے۔

غیر متعدی امراض کے شکار افراد کی تعداد میں اضافہ اس بات کا مزید ثبوت ہے کہ صحت عامہ کے شعبے کی

شعبہ صحت پر پاکستان کا خرچ ملکی جی ڈی پی کے ایک فیصد سے کم ہے

کارکردگی کیسی رہی ہے۔ پاکستان میں اموات کی سب سے بڑی وجہ ذیابیطس، سرطان اور بلند فشار خون ہیں، اوران تینوں بیماریوں سے بچاؤ ممکن ہے۔ ڈینگی بخار، کانگو وائرس، ایچ آئی وی/ایڈز، یرقان، پولیو اور ٹی بی جیسے متعدی امراض میں روز افزوں اضافہ اموات کی تعداد میں اضافے کا باعث ہے۔

غذائیت اور صحت سے متعلق متعدد اشاریے بھی حوصلہ افزا نہیں ہیں۔ مثال کے طور پر، اقوامِ متحدہ کے ادارہ برائے خوراک و زراعت کے اخذ کردہ نتائج کے مطابق پاکستان کے 37.5 فیصد لوگ مناسب غذا سے محروم ہیں۔ عالمی بینک کی حالیہ رپورٹ کے مطابق پاکستان میں 38 فیصد بچے نامکمل نشوونما کا شکار ہیں (بچوں سے متعلق باب ملاحظہ کریں)۔

صحت کے شعبے کے لیے مختص بجٹ

اقوام متحدہ کی رپورٹ ایشیا و پیسفک کے لیے سوشل آؤٹ لُک کے مطابق پاکستان ایشیا پیسفک کے اُن مما لک میں سے ہے جو سماجی تحفظ، صحت اور تعلیم کے شعبے پر سب سے کم خرچ کرتے ہیں۔

انتخابات کا سال اور بجٹ منظور کرنے والی صوبائی اور وفاقی اسمبلیوں کی معیاد صرف تین ماہ ہونے کے باعث ان شعبوں کے لیے مختص کی گئی رقم کا مستحکم رہنا یا مکمل طور پر استعمال کیا جانا بعید از قیاس تھا۔

احتجاج اور صرف تین ماہ کے لیے بجٹ منظور کرنے کے مطالبے کو نظر انداز کرتے ہوئے وفاقی حکومت نے مکمل مالی سال کے لیے بجٹ منظور کرنے کا اعلان کیا۔ عوامی شعبے کے ترقیاتی بجٹ (پی ایس ڈی پی) کے لیے مختص رقم میں کمی کردی۔ پی ایس ڈی پی میں صحت کے شعبے کے لئے 37 ارب روپے مختص کیے گئے تھے۔ نومنتخب حکومت نے یہ اعلان کرنے میں دیر نہیں لگائی کہ کڑی معاشی اصلاحات کی ضرورت ہے۔ حکومت نے 2019-2018

کے وفاقی بجٹ کو حقیقت پسندانہ بنانے کے لیے اس میں بڑے پیمانے پر تبدیلیاں کرنے کا عہد کیا۔

اکتوبر میں، پنجاب حکومت نے مالی سال 2019-2018 کے بقیہ حصے کے لیے صحت کے شعبے کے لیے 137.91 ارب روپے مختص کرنے کی تجویز پیش کی۔ صحت کے بیمہ پروگراموں میں 36 فیصد اضافہ دیکھے جانے کی توقع ہے، اوراس موقع پر انصاف صحت کارڈ کے اجراء کا بھی اعلان کیا گیا۔ سابقہ صوبائی حکومت نے مئی میں فیصلہ کیا تھا کہ اُن کے ترقیاتی کاموں کا بوجھ اگلی حکومت کے کاندھوں پر نہ ڈالا جائے، اس لئے انہوں نے نیا بجٹ پیش نہیں کیا۔

مئی میں سندھ حکومت نے صحت کے شعبہ کے لیے مختص ترقیاتی بجٹ میں تین ارب کی کٹوتی کا اعلان کیا، اور غذائی قلت اور ناقص نشوونما سے نمٹنے کے لئے الگ سے 1.5 ارب روپے مختص کردیے۔ وزیرِ خزانہ کا کہنا تھا کہ اگلی حکومت نئی سکیمیں شروع کرسکتی ہے۔ اکتوبر میں البتہ، حکومت نے نئی ترقیاتی اسکیموں کے لیے مختص رقم میں کٹوتی کا اعلان کیا کیونکہ وفاقی حکومت سے فنڈز کی منتقلی نہ ہونے کی وجہ سے اسے مالی مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔

خیبر پختونخوا حکومت پہلے ہی اعلان کر چکی تھی کہ اپنی مدت مکمل کر کے جانے والی حکومت کو مالی سال 2019-2018 کے لئے بجٹ پیش کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ اکتوبر میں رواں مالی سال کے باقی ماندہ دورانیے کے لیے پیش کیے گئے بجٹ میں صحت کے شعبے کے لیے 78 ارب روپے مختص کیے گئے جن میں سے 12 ارب ترقیاتی منصوبوں کے لئے تھے۔

تقریباً 62 ارب کے خسارے پر مبنی بجٹ پیش کرنے کے بعد، بلوچستان کی حکومت نے مئی میں اپنی آمدن کا محض 8.7 فیصد صحت کے شعبے کے لئے مختص کیا۔ اکتوبر میں وزیرِ خزانہ نے موجودہ بجٹ میں 75 ارب روپے خسارے کا اعلان کیا اور وفاقی حکومت سے معاونت کی درخواست کی۔ انہوں نے تسلیم کیا کہ تعلیم کے شعبے کے بعد، سب سے زیادہ بجٹ امن وامان کی صورتِ حال کو بہتر بنانے پر خرچ ہوا جس کی وجہ سے صحت کے شعبے پر کیے جانے والے اخراجات متاثر ہوئے۔

قومی منصوبے

آئینِ پاکستان میں اٹھارہویں ترمیم کی منظوری اور صحت کے شعبے سے متعلق اختیارات کی صوبوں کو منتقلی کے بعد، اِس شعبے میں وفاقی حکومت کا کردار نہایت محدود ہوکر رہ گیا ہے۔ تاہم وفاقی حکومت اب بھی صحت سے متعلق قومی پروگرام چلاتی ہے اور بین الاقوامی عطیہ کنندگان کی امداد سے چلنے والے منصوبوں کا انتظام سنبھالتی ہے۔ مختلف صوبوں میں صحت کی ضروری سہولیات اور ان کے لیے مختص وسائل میں نمایاں فرق، ہر صوبے میں صحت کے شعبے سے متعلق مختلف طرزِ عمل کا عکاس ہے، اسی وجہ سے صحت کے شعبے میں وفاقی اور صوبائی حکومتوں کے مابین ہم آہنگی نہایت اہمیت کی حامل ہے۔

ڈرگ ریگولیٹری اتھارٹی (ڈریپ) وفاقی حکومت کے ماتحت کام کرتی ہے۔ یہ ادارہ دوا سازی سے

مختلف صوبوں میں صحت کے بجٹ اور صحت کی بنیادی سہولیات کی فراہمی میں پائی جانے والی تفریق سے ظاہر ہوتا ہے کہ شعبہ صحت کے حوالے سے مختلف حکمت عملیاں مرتب کی گئی ہیں

متعلق قواعد پر عملدرآمد کروانے کے علاوہ ادویات کی قیمتوں کا تعین بھی کرتا ہے اور ادویہ سازی کے لائسنس بھی جاری کرتا ہے۔

وفاقی سطح پر قائم نیوٹریشن ونگ کی جانب سے شروع کیے گئے ملک گیر سروے کے نتائج کے پیش نظر نیشنل نیوٹریشن پروگرام (این این پی) 2017-2018 کو ایک اہم پیش رفت قرار دیا جاسکتا ہے۔ سروے 120,000 گھرانوں کے کوائف پر مشتمل ہے اور اس میں ضلع وار اعداد و شمار بھی اکٹھے کیے گئے ہیں۔ اس سروے میں پانی، صفائی ستھرائی اور حفظانِ صحت (واش) سے متعلق اِشاریے اور بلوغت اور بچپن میں موٹاپے سے متعلق اعداد و شمار بھی شامل ہیں۔ قومی نیوٹریشن سروے کے لئے تشکیل دی گئی سٹیرنگ اور تکنیکی کمیٹیاں قومی سطح پر اس عمل کی نگرانی کر رہی ہیں۔

مزید برآں، وزیرِ اعظم کے صحت پروگرام کے تحت مستحق افراد کو صحت کی سہولیات مہیا کی جا رہی ہیں۔ اِس پروگرام کے تحت 41 اضلاع میں 30 لاکھ خاندانوں کو سرکاری اور نجی ہسپتالوں میں صحت کی مفت سہولیات فراہم کی جا رہی ہیں۔ اس پروگرام کے تحت (پنجاب، بلوچستان اور فاٹا میں دو مراحل میں) غربت کی لکیر سے نیچے زندگی گزارنے والے ایسے 32 لاکھ خاندانوں کو صحت کی مفت سہولیات فراہم کی جا رہی ہیں، جن کی آمدن دو امریکی ڈالر روزانہ سے کم ہے۔ اس پروگرام کے تحت ان گھرانوں کو تین لاکھ روپے سالانہ تک مفت علاج معالجے کی سہولت تک رسائی حاصل ہے۔ اس پروگرام میں شامل لوگ حکومت کے جاری کیے گئے صحت کارڈز کے ذریعے سرکاری اور نجی شعبے کے ہسپتالوں میں ان سہولیات سے استفادہ کر سکتے ہیں۔

وفاقی حکومت نے حفاظتی ٹیکوں اور قطروں کے توسیع یافتہ پروگرام (ای پی آئی) کی مد میں 835.7 ارب روپے کی رقم بھی مختص کی ہے۔ اس پروگرام کا دائرہ کار ملک کے تمام اضلاع تک وسیع کیا جا رہا ہے۔ یہ پروگرام پائیدار ترقیاتی اہداف اور صحت کی سہولیات کا دائرہ تمام افراد تک وسیع کرنے جیسے مقاصد کے حصول میں مددگار ثابت ہوگا۔

یرقان کے بڑھتے ہوئے واقعات سے نمٹنے کے لئے صوبوں کے ساتھ مل کر نیشنل ہیپاٹائٹس اسٹریٹجک فریم ورک بنایا گیا ہے۔ یرقان کی ادویات کی قیمتوں کو کم ترین سطح پر لایا گیا ہے اور ملکی سطح پر ان کی پیداوار کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے۔ ماؤں اور بچوں کے ویکسینیشن پروگرام کے لیے ویکسین کی لگاتار فراہمی یقینی بنائی گئی ہے۔ اس ویکسین کو ذخیرہ اور تقسیم کرنے کا نظام بھی آئی ایس او سے سند یافتہ ہے۔

قومی ادارہ صحت میں بننے والی ویکسین کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ عالمی معیار کے عین مطابق ہے۔ پالیسی سازی کے لئے مستند اعداد و شمار کی ضرورت کو مدِنظر رکھتے ہوئے، وفاقی سطح پر عالمی معیار کا ڈیش بورڈ قائم کیا گیا ہے اور حکومت نے ہر دو سے تین سال کے بعد عالمی معیار کا سروے کروانے کا فیصلہ کیا ہے۔

ذہنی صحت

سال کے اختتام پر، پاکستان ایسوسی ایشن آف مینٹل ہیلتھ (پی اے ایم ایچ) نے بتایا کہ ملک میں ذہنی دباؤ کے شکار افراد میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ پی اے ایم ایچ نے ملک بھر میں خاص طور پر کراچی میں ذہنی امراض کے بڑھتے ہوئے واقعات پر تشویش کا اظہار کیا ہے۔ پی اے ایم ایچ کے عہدیداران کے مطابق ذہنی دباؤ کی سطح گزرتے وقت کے ساتھ بدترین ہوتی جا رہی ہے اور ہر چوتھے گھر میں کوئی نہ کوئی فرد ذہنی صحت کے مسائل کا شکار ہے اور خصوصی علاج کا مستحق ہے۔ پی اے ایم ایچ نے مزید کہا ہے کہ ذہنی امراض کے شکار افراد کا 25 فیصد ذہنی دباؤ کا مریض ہے اور خواتین میں ذہنی دباؤ کا تناسب مردوں سے دوگنا ہے۔ ذہنی دباؤ کی ممکنہ وجوہات میں امن وامان کی صورتِ حال، سیاسی عدم استحکام اور ضروریاتِ زندگی جیسے کہ بجلی، پانی اور گیس کی غیر یقینی فراہمی شامل ہیں۔

ذہنی امراض میں مبتلا لوگوں کی المناک پناہ گاہ خودکشی ہے۔ ملک میں خودکشی کی تشویش ناک شرح اس امر کی کسی قدر عکاسی کرتی ہے کہ ذہنی مریضوں کی کس قدر بڑی تعداد نفسیاتی امراض کی تشخیص، علاج معالجے اور کسی قسم کی معاونت سے محروم ہے۔ ایچ آر سی پی کے اعداد و شمار کے مطابق گزشتہ برس 1,338 افراد نے خودکشی کی جن میں 786 مرد اور 552 خواتین شامل ہیں۔ اخبارات میں باقاعدگی سے ایسے پریشان کن واقعات کی خبریں آتی رہتی ہیں۔ مئی میں شیخوپورہ میں سرفراز نامی ایک شخص نے اپنی بیوی کے چھوڑ جانے پر خودکشی کرنے سے پہلے اپنے تین بچوں کو قتل کر دیا۔ جولائی میں، لاہور میں چھٹی منظور نہ ہونے پر ایک اسسٹنٹ سب انسپکٹر کی خودکشی کی خبریں بھی سامنے آئیں۔ ستمبر میں 26 سالہ ماڈل انعم تنولی نے آن لائن ہراسانی کے خلاف غم و غصے کا اظہار کرنے کے بعد اپنی جان لے لی۔ اخباری اطلاعات کے مطابق وہ ذہنی دباؤ کا شکار تھیں۔ خیبر پختونخوا میں خراب امتحانی نتائج کی وجہ سے بہت

سے طلبہ کے خودکشی کرنے کے واقعات کی خبریں سامنے آئی ہیں۔ نومبر کے وسط تک صرف تھرپارکر میں خودکشیوں کی تعداد 43 تک پہنچ چکی تھی۔ چترال اور گلگت بلتستان میں بھی خودکشی کی شرح میں بالخصوص طلبہ اور شادی شدہ خواتین میں ایسے واقعات میں اضافہ رپورٹ کیا گیا۔ اگرچہ خودکشی کے واقعات کی دیگر وجوہ بھی ہوسکتی ہیں تاہم یہ امر واضح ہے کہ غربت، جرم، ناانصافی، عدم برداشت، معاشرتی، معاشی اور خاندانی دباؤ کمزور دل افراد کو بری طرح متاثر کرتے ہیں۔

پاکستان نے عالمی ادارہ صحت ڈبلیو ایچ او کے ذہنی صحت کے جامع عملی منصوبے (2020-2013) پر دستخط کئے ہیں، یہ منصوبہ عالمی صحت اسمبلی کے چھیاسٹھویں اجلاس میں منظور کیا گیا۔ انسانی حقوق کے اصول اس منصوبے کی اساس ہیں، تاہم اس بات کے کوئی شواہد موجود نہیں کہ پاکستان نے ان مقاصد کے حصول کے لئے کوئی مربوط قومی منصوبہ بندی کی ہے۔

سندھ نے 2013 میں ذہنی صحت کا قانون منظور کیا تھا لیکن اکتوبر 2017 تک ذہنی صحت اتھارٹی کا قیام عمل میں نہیں لایا جاسکا۔ مئی 2018 میں سندھ ہائی کورٹ نے 2013 کے قانون اور 2014 کے ذہنی صحت کے قواعد پر موثر عمل درآمد کی درخواست پر سماعت کی۔ اتھارٹی کے سربراہ نے عدالت کو آگاہ کیا کہ بارہا درخواست کرنے کے باوجود کسی قسم کے فنڈ جاری نہیں کیے گئے۔ عدالت نے چیف سیکریٹری کو فوراً اس معاملے کی چھان بین اور سات یوم کے اندر اندر فنڈز مختص کرنے کی سمری منظور کرانے کا حکم دیا۔ تاہم سال کے اختتام تک اس ضمن میں کسی قسم کی پیش رفت دیکھنے میں نہیں آئی۔

پنجاب نے اپنا قانون 2014 میں منظور کیا۔ دسمبر 2016 میں ذہنی صحت اتھارٹی کے قیام کا حکم جاری کیا گیا۔ اکتوبر 2017 میں طبی تعلیم اور صحت مخصوصہ کے وزیر نے اتھارٹی کو فعال بنانے کی یقین دہانی کرائی تاہم اس ضمن میں بھی کوئی پیش رفت نہیں ہوئی۔

خیبرپختونخوا حکومت نے بالآخر 2017 میں ذہنی صحت کا قانون منظور کیا، جس کے تحت ایک ذہنی صحت اتھارٹی قائم کی جانی تھی جو بظاہر ابھی تک قائم نہیں کی جاسکی۔

غذائی قلت (بچے بھی ملاحظہ کریں)

وزارت منصوبہ بندی، ترقی و اصلاحات نے ملک میں غذائیت کے بحران سے نمٹنے کے لئے عالمی پروگرام برائے خوراک ڈبلیو ایف پی کے تعاون سے پاکستان کثیرجہتی غذائیت حکمت عملی برائے سال 25-2018 کا آغاز کیا۔

غذائی عدم تحفظ پاکستان کو درپیش سنگین مسائل میں سرِفہرست ہے، ایک تخمینے کے مطابق ملکی آبادی کا 18 فیصد غذائی کمی کا شکار ہے۔ غذائی کمی میں اضافے کا باعث بننے والے عوامل میں غربت، خواندگی کی کم تر شرح، فیصلہ سازی میں خواتین کی عدم شمولیت، رہن سہن کی نامناسب سہولیات اور صحت کی سہولیات تک رسائی نہ ہونا شامل ہیں۔

پاکستان کو درپیش بڑے مسائل میں سے ایک غذائی عدم تحفظ ہے

تاہم یاد رہے کہ، اس ضمن میں میں مختلف صوبوں میں صورتِ حال مختلف ہے۔صوبوں کے مابین اس تفاوت کی وجوہ تلاش کرنا اور انہیں حل کرنا ضروری ہے۔ مثال کے طور پر شدید موسمی حالات کی زد میں رہنے والی آبادیوں میں غذائی کمی کا خطرہ زیادہ ہوتا ہے، شدید موسمی حالات زرعی پیداوار پر اثرانداز ہوتے ہیں جس کا نتیجہ لوگوں کے لیے خوراک کی کمی کی صورت میں نکلتا ہے۔

ایک حالیہ سرکاری رپورٹ پاکستان میں غذائی قلت کے معاشی اثرات میں معیشت اور غذائی کمی کے مابین تعلق دریافت کیا گیا ہے۔ یہ رپورٹ پاکستان کے سکیلنگ اپ نیوٹریشن (ایس یو این) سیکرٹریٹ نے اقوامِ متحدہ کے عالمی غذائی پروگرام کے تعاون سے تیار کی ہے۔

اِس رپورٹ کے مطابق پاکستان میں ماؤں میں غذائی کمی کے اثرات کے باعث ہر سال 177,000 سے زائد بچے اپنی پانچویں سالگرہ سے قبل موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں۔ یہ اموات مستقبل کی افرادی قوت کا حصہ بننے والی کئی نسلوں کو نگل چکی ہیں۔ پاکستانی معیشت کو ہر برس ان اموات کی وجہ سے 24.2 ارب امریکی ڈالر کا نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے۔ پاکستان میں انیمیا، آیوڈین کی کمی اور غیر کامل نشوونما سے متاثرہ بچوں میں سے دوتہائی کی ذہنی اور جسمانی صحت ناقص رہتی ہے جس کا نتیجہ سکول میں بری کارکردگی اور بلوغت میں کم تر پیداواری صلاحیت کی صورت میں نکلتا ہے۔

ڈینگی خیبر پختونوا، پنجاب اور سندھ میں ڈینگی وائرس کی افزائش میں اضافہ ہو رہا ہے، ان تینوں صوبوں میں یہ مرض وقتاً فوقتاً وبا کی طرح پھوٹ نکلتا ہے۔ 2018 میں سندھ میں، ڈینگی کے 2088 مریض سامنے آئے جن میں سے دو کا انتقال ہو گیا۔ راولپنڈی میں، ایک سال کے اندر 421 ڈینگی کے مریض ہسپتالوں میں داخل ہوئے جن میں سے پانچ کو دسمبر میں داخل کیا گیا۔

متعلقہ محکموں نے سارا سال ایسی مہمیں چلائیں جن کا مقصد ڈینگی لاروا تلاش کرنا، صفائی ستھرائی کا خیال رکھنا، مختلف مقامات پر دھونی دینا اور اس بات کو یقینی بنانا تھا کہ پانی کو کھلے برتنوں میں ذخیرہ نہ کیا جائے یا کھلی جگہوں پر پانی جمع نہ ہونے دیا جائے۔

قومی ادارہ صحت (این آئی ایچ)، وزارتِ صحت نے حال ہی میں پاکستان میں ایک مچھروں سے خبردار کرنے والی اینڈرائیڈ ایپ متعارف کرائی ہے، تاکہ لوگوں کو ان کے علاقے میں پائے جانے والے مچھروں کی مختلف اقسام اور ان سے پھیلنے والی بیماریوں کے بارے میں معلومات دی جاسکیں۔ اس ادارے نے ڈینگی سے تحفظ اور اس پر قابو پانے کے لئے مکمل سہولیات سے مزین ڈیسیز سرویلنس وریسپانس یونٹ قائم کیا ہے۔

قومی ادارہ صحت نے ڈینگی کے خاتمے لیے قومی ایکشن پلان تیار کیا ہے، موثر عملدرآمد کے لیے صوبوں کو بھی اس منصوبے میں شریک کیا گیا ہے۔ صوبائی حکومتیں ڈینگی کی منتقلی اور پھیلاؤ پر قابو پانے کے لئے بھی اقدامات کر رہی ہیں، ڈینگی وائرس کے پھیلاؤ کے موسم میں یہ اقدامات ضروری ہو جاتے ہیں۔

پولیو
اس سال پورے ملک سے پولیو وائرس سے متاثرہ دس مریض سامنے آئے جن میں سے بلوچستان کے ضلع ڈکی سے تین، خیبر پختونخوا کے ضلع چارسدہ، گڈاپ کراچی اور خیبر ایجنسی سے ایک ایک جبکہ خیبر پختونخوا کے قبائلی ضلع باجوڑ سے دو مریض سامنے آئے۔

دسمبر 2018 میں خیبر پختونخوا کے ضلع لکی مروت اور سابقہ فاٹا میں باجوڑ ایجنسی سے بھی پولیو کا ایک ایک کیس سامنے آیا۔ راولپنڈی میں لیے گئے ماحولیاتی نمونوں میں بھی پولیو وائرس کی موجودگی پائی گئی، کمشنر راولپنڈی نے اس کا ذمہ دار راولپنڈی میں افغان مہاجرین کی مسلسل نقل وحرکت کو قرار دیا۔ انہوں نے سرکاری عہدیداران کو پختون بچوں کی ویکسینیشن پر توجہ دینے کی تلقین کی۔ افغانستان میں پولیو وائرس سے متاثرہ 21 مریض سامنے آئے ہیں۔

10 دسمبر 2018 کو پولیو کے قطرے پلانے کی مہم شروع کی گئی۔ مہم کے دوران پانچ سال سے کم عمر تین کروڑ ستاسی لاکھ بچوں کو پولیو کے قطرے پلانے کے لیے کل، 270,000 فوجی اہلکار تمام صوبوں اور قصبوں میں ہر دروازے پر گئے۔ حکومتی ذرائع کے مطابق ملک سے پولیو وائرس کے مکمل خاتمے میں درپیش سب سے بڑی روکاوٹ والدین کی طرف سے پولیو قطروں کے خلاف مزاحمت تھی۔

سوائن فلو

انفلوینزا، H1 N1 جسے عام طور پر سوائن فلو کہا جاتا ہے، کے پھیلاؤ کا موسم عموماً دسمبر اور جنوری کے مہینوں پر مشتمل ہے۔ اس انفلوئنزا کا پہلا مریض 24 دسمبر 2018 کو بے نظیر بھٹو ہسپتال میں سامنے آیا۔ قومی ادارہ صحت سے تشخیص کی مصدقہ رپورٹ آنے سے پہلے ہی مریض کا انتقال ہو گیا۔

بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ لوگ عام فلو اور سوائن فلو میں فرق نہیں کر پاتے اور علاج معالجے کی کوشش صرف اُس وقت کرتے ہیں جب ان کی حالت بگڑ جاتی ہے۔ اس مرض سے بچاؤ کا بہترین حل ویکسینیشن ہے لیکن مہنگی اور درآمد شدہ ہونے کی وجہ سے اس ویکسین کی ہر کسی تک ترسیل ممکن نہیں۔

ہیپاٹائٹس

پاکستان نے 2030 تک ہیپاٹائٹس B اور C وائرس کو ختم کرنے کا ہدف طے کیا ہے۔ یہ ہدف غیر حقیقی دکھائی دیتا ہے کیوں کہ لاکھوں مریض ابھی غیر تشخیص شدہ ہیں اور یہ وبا دوسرے لوگوں میں منتقل ہو رہی ہے۔

قومی اداروں اور عالمی ادارہ صحت کی پیش کی گئی رپورٹس کے مطابق تخمینہ لگایا گیا ہے کہ بیس کروڑ آبادی والے ملک پاکستان میں پچاس لاکھ افراد کو ہیپاٹائٹس بی (2.5 فیصد) اور ایک کروڑ (5 فیصد) ہیپاٹائٹس سی کے مریض ہیں۔ پاکستان کو پیوندکاری کے لیے سالانہ دس ہزار جگر کی ضرورت ہے۔ عالمی ادارہ صحت نے نشان دہی کی ہے کہ پاکستان میں ہر سال ہیپاٹائٹس بی اور سی کے نتیجے میں ہونے والے جگر کے امراض پچاس ہزار افراد کی جان لے لیتے ہیں۔ ان اموات میں سے سب سے زیادہ پنجاب میں اور پھر بالترتیب سندھ، خیبر پختونخوا اور بلوچستان میں واقع ہوتی ہیں۔

پاکستان ہیلتھ ریسرچ کونسل ایک تکنیکی مشاورتی گروپ کے ذریعے صوبائی اور وفاقی سطح پر ہیپاٹائٹس کے خلاف موثر کارروائی کی کوششوں کا انصرام کر رہی ہے۔ یہ کونسل وزارت قومی صحت کے تحت کام کر رہی ہے۔ علاوہ ازیں، ہیپاٹائٹس کے علاج میں نجی شعبہ بھی اہم کردار سرانجام دے رہا ہے۔ ہیپاٹائٹس سی کی بروقت سکریننگ اور ٹیسٹ سے متعلق آگاہی بھی نہایت اہم ہے تاکہ لوگ بروقت علاج کرا سکیں۔

ذیابیطس

بیس سال اور اس سے زائد عمر کے ہر چار میں سے ایک فرد کو ذیابیطس کی شکایت ہے۔ 1998-1994 کے دوران ذیابیطس میں مبتلا افراد کی شرح 8.7 فیصد تھی جو 2017-2016 میں بڑھ کر 26.3 فیصد ہو چکی ہے۔ یہ اعداد وشمار جولائی 2018 میں بقائی انسٹی ٹیوٹ آف ڈائبٹالوجی اینڈ وکرینالوجی (بی آئی ڈی ای) نے ایک سروے کے بعد جاری کیے۔ بی آئی ڈی ای نے یہ سروے وزارتِ صحت، پاکستان ہیلتھ ریسرچ کونسل اور عالمی ادارہ صحت کی امداد سے چلنے والی تنظیم پاکستانی ادارہ برائے ذیابیطس کے اشتراک سے کیا تھا۔

ستمبر میں چھپنے والی خبروں کے مطابق ڈنمارک، حکومتِ پنجاب کو ذیابیطس سے متعلق آگاہی مہم چلانے

میں مدد دے گا، ایسا ہی ایک پروگرام پہلے سے خیبر پختونخوا میں کامیابی کے ساتھ چلایا جا رہا ہے۔

تھیلیسیمیا

تھیلیسیمیا ایک موروثی بیماری ہے۔ پاکستان میں اس کے مریضوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے، لاعلمی اور جہالت اس مسئلے کو مزید الجھا رہے ہیں۔ تھیلیسیمیا خون کے سُرخ خلیوں کو متاثر کرتی ہے اور مریض کو تمام عمر انتقالِ خون پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔ ہر سال تقریباً 6000 بچے تھیلیسیمیا میجر جیسی مہلک بیماری کے ساتھ پیدا ہوتے ہیں۔

تھیلیسیمیا ایک موروثی بیماری ہے اور والدین میں سے کسی ایک کو اگر یہ مرض لاحق ہو تو بچے میں منتقل ہو سکتی ہے۔ اسی وجہ سے شادی سے پہلے اس بیماری کی سکریننگ کے زور پکڑتے مطالبے پر عملدرآمد ضروری ہے۔

حال ہی میں، محکمہ صحت پنجاب نے تھیلیسیمیا کے ایک مجوزہ قانون پر بحث کا آغاز کیا ہے۔ اس قانون کے تحت مردوں کے لیے شادی سے پہلے تھیلیسیمیا کے ٹیسٹ کروانے لازم ہوں گے۔ اگر مرد کی تشخیص تھیلیسیمیا مائنر کے طور پر ہوتی ہے تو اس کی ہونے والی بیوی کو بھی تھیلیسیمیا کی سکریننگ کروانا پڑے گی۔

اِس قانون کے تحت، جوڑے میں سے اگر صرف کسی ایک میں تھیلیسیمی کے وائرس پائے جائیں تو ان کی شادی ممکن ہے لیکن دونوں میں تھیلیسیمیا کے جینز کی موجودگی کی صورت میں انہیں حمل کی ابتداء میں قبل از پیدائش ٹیسٹ کروانے کی تجویز دی گئی ہے تاکہ تھیلیسیمیا کے شکار بچوں کی پیدائش سے بچا جا سکے۔

تھیلیسیمیا خون کے سرخ خلیے متاثر ہوتے ہیں اور بالآخر مریض کو زندہ رہنے کے لیے عمر بھر خون لگوانا پڑتا ہے

تھیلیسیمیا بل 2018 کے مجوزہ مسودے میں موجودہ نکاح نامے میں ترامیم کی بھی سفارش کی گئی ہے۔

ملیریا

ایک اندازے کے مطابق، پاکستان میں ملیریا اور اس کے نتیجے میں لاحق ہونے والی دیگر بیماریاں ہر سال پچاس ہزار سے زائد اموات کا باعث بنتی ہیں۔ لیکن وفاقی اور صوبائی سطح پر اس بیماری سے بچاؤ، اس کی تشخیص، علاج اور اس سے متعلق اعداد و شمار اکٹھے کرنے پر کوئی توجہ نہیں دی گئی۔

عالمی ادارہ صحت نے پاکستان خاص طور پر سابقہ فاٹا اور بلوچستان جہاں مچھروں سے پھیلنے والی بیماریوں کے 80 فیصد واقعات سامنے آئے ہیں، ملیریا کے خلاف جدوجہد کے دوران پیش آنے والے مسائل کے بارے میں شکایت کی ہے۔ ملیریا ملک کی دوسری سب سے عام اور مہلک بیماری ہے۔ ملکی آبادی کا تقریباً 60 فیصد حصہ ایسے علاقوں میں رہائش پذیر ہے جہاں یہ بیماری عام ہے۔ ان علاقوں میں بلوچستان، خیبر پختونخوا (بشمول فاٹا کے قبائلی اضلاع) اور سندھ شامل ہیں۔

عالمی فنڈ نے حال ہی میں مزید امداد کی نئی درخواست پر پاکستان کو تین کروڑ بانوے لاکھ امریکی ڈالر امداد دی ہے، اس امداد سے ملک کے 66 اضلاع میں ملیریا کی روک تھام کے اقدامات کیے جائیں گے۔

محکمہ صحت کی ضلعی ٹیمیں ملک بھر میں ملیریا پر قابو پانے کے لئے کارروائیاں کر رہی ہے۔ یہ کارروائیاں جانوروں اور مچھروں کے ذریعے پھیلنے والی بیماریوں خاص کر ڈینگی بخار کی وبا پر قابو پانے کے لیے کیے جانے والے اقدامات جیسی ہی ہیں۔

تپ دق

تپ دق (ٹی بی) اس برس بھی دنیا کا مہلک ترین متعدی مرض رہا، جس کے نتیجے میں دنیا بھر میں روزانہ 4500 اموات واقع ہوئیں۔ پاکستان میں اوسطاً ہر ایک لاکھ افراد میں ٹی بی کے 267 مریض ہیں، عالمی ادارہ صحت کی ٹی بی سے سب سے زیادہ متاثرہ 8 ممالک کی فہرست میں پاکستان پانچویں نمبر پر ہے، ٹی بی کے دو تہائی مریض انہی ممالک میں موجود ہیں۔ پاکستان کو دوائیوں کے خلاف مزاحمت رکھنے والی (ایم آر ڈی) ٹی بی کے بڑھتے ہوئے خطرے سے نمٹنے کے لئے بھی خود کو تیار کرنا ہے۔ ٹی بی کی اس قسم سے متاثرہ 27,000 مریض سامنے آ چکے ہیں۔

عالمی ادارہ صحت کی 2018 میں آنے والی عالمی تپ دق رپورٹ سے ظاہر ہوتا ہے کہ پانچ لاکھ پچیس ہزار لوگ تپ دق سے متاثر ہیں جن میں سے 359,224 مریض اندراج یافتہ جبکہ 165,776 مریض غیر اندراج شدہ یا غیر تشخیص شدہ تھے۔ ان مریضوں میں 291,000 مرد، 235,000 عورتیں اور 57,000 بچے شامل ہیں۔ اس مرض سے کُل 56,000 افراد کی موت واقع ہوئی جن میں 2200 ایچ آئی وی سے متاثرہ لوگ بھی شامل

تھے۔ایسی زیادہ تر اموات کو غذائی قلت کا نتیجہ قرار دیا گیا۔

قومی ٹی بی کنٹرول پروگرام (این ٹی پی) کا دعویٰ ہے کہ 80 فیصد سے زیادہ مریضوں کا علاج سرکاری ہسپتالوں میں معالجین کی نگہداشت (DOTS) میں کیا گیا، اس نظام کے تحت ٹی بی کے پانچ لاکھ مریضوں کا علاج کیا گیا۔DOTS نظام کے تحت، مریض کو دوا اور علاج معالجین کی نگرانی میں دی جاتی ہے لیکن یہ یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ سرکاری ہسپتالوں کی انتظامیہ نے اس طریق کار پر مکمل عمل کیا بھی ہے یا نہیں۔

عالمی ادارہ صحت کے مطابق 2018 میں ٹی بی کے علاج پر گیارہ کروڑ اسی لاکھ امریکی ڈالر خرچ کیے گئے (اس رقم میں سے 3 فیصد ملکی اور 54 فیصد عالمی ذرائع سے حاصل کیے گئے جبکہ 43 فیصد غیر فنڈ شدہ تھے)۔70 فیصد ادویات عالمی فنڈ برائے ایچ آئی وی، ٹی بی اور ملیریا نے مہیا کیں۔

ایچ آئی وی/ایڈز

وزارت قومی صحت کی جانب سے اکتوبر میں سپریم کورٹ میں جمع کرائی گئی ایک رپورٹ کے مطابق کہ پنجاب میں 60,000، سندھ میں 52,000 اور خیبر پختونخوا اور اسلام آباد میں 17,000 افراد ایڈز کے مرض میں مبتلا ہیں۔ یہ اعداد و شمار جلال پور جٹاں میں ایڈز کی بڑھتی ہوئی شرح سے متعلق لیے گئے ازخود نوٹس کے بعد اکٹھے کیے گئے تھے۔اخباری اطلاعات کے مطابق جلال پور جٹاں میں 130 افراد اس مرض کا شکار تھے۔

قومی ایڈز کنٹرول پروگرام این اے سی پی کا کہنا ہے کہ پاکستان تقریباً 150,000 لوگ ایڈز کا شکار ہیں جن میں سے 25,000 لوگوں کا اندراج این اے سی پی میں ہوا ہے جبکہ مریضوں کی ایک بڑی تعداد این اے سی پی کے مراکز سے علاج کروا رہی ہے۔

تاہم، سرکاری اہلکاروں کے مطابق جنسی تعلقات سے متعلق پائے جانے والے فرسودہ خیالات اور امتیازی سلوک کے خوف سے بہت سے مریض سامنے نہیں آتے۔سرکاری تخمینوں کے مطابق، 2010 سے اب تک پاکستان میں ایچ آئی وی سے متاثرہ نئے مریضوں کی تعداد میں 45 فیصد اضافہ دیکھنے میں آیا ہے۔عالمی ادارہ صحت کا کہنا ہے کہ پاکستان میں سالانہ تقریباً 20,000 نئے ایچ آئی وی متاثرین کا اندراج ہو رہا ہے، یہ شرح اس خطے کے تمام ممالک میں سب سے زیادہ ہے۔مزید برآں، زندگی بچانے والی اینٹی ریٹرو وائرل تھراپی کی دستیابی کے باوجود ایڈز جیسی مہلک بیماری کا باعث بننے والے وائرس سے متاثرہ افراد کی شرح اموات میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔

ایک حکومتی رپورٹ کے مطابق، پنجاب کے بعض حصے جن میں لاہور، ڈیرہ غازی خان، ملتان، راولپنڈی، گجرات، فیصل آباد اور سرگودھا شامل ہیں، ایڈز کے حوالے سے غیر محفوظ علاقے ہیں۔سال کے آغاز میں سرگودھا کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں ایڈز کی وبا پھوٹنے سے تشویش کی لہر دوڑ گئی۔گاؤں کے بڑوں نے حکومت پنجاب کی توجہ اس جانب مبذول کرائی جس کے بعد یہاں 2717 ٹیسٹ کئے گئے، جس کے نتیجے میں 35 افراد میں ایڈز کی تشخیص

ہوئی۔

سندھ ایڈز کنٹرول پروگرام ایس اے سی پی کی نومبر میں سامنے آنے والی رپورٹ کے مطابق، صوبہ سندھ میں رواں سال ایچ آئی وی/ ایڈز کی وجہ سے 22 افراد کی موت واقع ہوئی، جن میں سے 19 مرد اور باقی تین خواتین تھیں۔ جنوری سے نومبر تک ایس اے سی پی نے ایچ آئی وی/ ایڈز کے علاج کے چھ مراکز میں 2462 نئے کیسز کا اندراج کیا، جن میں 2112 مرد، 220 خواتین، 58 خواجہ سرا، 42 لڑکے اور 30 لڑکیاں شامل تھیں۔

نومبر میں 231 اموات کے ساتھ بلوچستان میں بھی ایچ آئی وی/ ایڈز کے مریضوں کی تعداد نے 5000 کی حد عبور کر لی۔ اِسی رپورٹ کے مطابق مختلف جیلوں میں قید 71 قیدیوں میں بھی ایچ آئی وی/ ایڈز کے وائرس کی تشخیص ہوئی تھی۔

تقریباً 50 این جی اوز اور صوبائی ایچ آئی وی/ ایڈز کنسورشیم کے اراکین، عوام میں ایچ آئی وی/ ایڈز سے متعلق آگاہی پیدا کر رہے ہیں، لیکن ان کی پہنچ اس بیماری میں مبتلا ہونے کے خدشے کی شکار آبادی کے 15 فیصد سے بھی کم افراد تک ہے۔

سرطان

ہر سال پاکستانیوں کی ایک بڑی تعداد میں کینسر کی تشخیص ہوتی ہے۔ پاکستان دنیا میں کینسر کے مریضوں کی تعداد کے اعتبار سے ساتویں نمبر پر ہے۔ پاکستان کونسل برائے صحت وتحقیق کے مطابق پاکستان میں کینسر کے سالانہ تقریباً ایک لاکھ اڑتالیس ہزار نئے مریضوں کی تشخیص ہوتی ہے۔ علاج کے طلبگار مریضوں کی اس کثیر تعداد کے لئے طبی عملہ اور سہولیات ناکافی ہیں۔

اخباری اطلاعات کے مطابق بریسٹ کینسر کے باعث ہر سال 40,000 اموات واقع ہوتی ہیں، اور ہر نو میں سے ایک خاتون چھاتی کے کینسر کے خطرے کا شکار ہے۔ ہر برس اس مرض میں مبتلا تقریباً 83,000 نئے مریض سامنے آتے ہیں۔

پاکستان کمیشن برائے جوہری توانائی (پی اے ای سی) کے سربراہ کا کہنا ہے کہ پی اے ای سی کے قائم کردہ 18 ہسپتالوں میں ہر سال کینسر کے 900,000 مریضوں کا علاج کیا جاتا ہے، کمیشن کو ہسپتالوں کو جدید بنانے اور آلات کی مرمت و بحالی کے لئے حکومت سے 30 ارب روپے کی رقم وصول ہوئی۔

محکمہ صحت خیبر پختونخوا نے ستمبر میں بیان کیا تھا کہ کینسر کے مفت علاج معالجہ کے لئے سرکاری/ نجی شعبے کے اشتراک سے کیے جانے والے اقدامات کو عالمی سطح پر پزیرائی ملی ہے۔ مریضوں کے علاج کی مد میں اٹھنے والے کل اخراجات میں سے 90 فیصد نجی ادارے جبکہ بقیہ 10 فیصد حکومت نے ادا کئے۔ اِس اقدام سے حیات آباد میڈیکل کمپلیکس پشاور میں 2100 افراد کو فائدہ ہوا اور کینسر کے مریضوں میں کینسر سے بچنے کی شرح 88 فیصد رہی۔ سندھ اور پنجاب میں بھی اسی طرز کے پروگرام شروع کیے گئے ہیں۔

سفارشات

- ☆ صحتِ عامہ کے لئے مختص بجٹ کو موجودہ ایک فیصد سے بڑھا کر مجوزہ سطح تک لایا جائے۔
- ☆ صحتِ عامہ کی سہولیات کا معیار بہتر بنایا جائے اور ان کی قیمت کو سب کے لئے قابلِ برداشت بنایا جائے۔
- ☆ عوامی مفاد میں صحت کے شعبے میں کام کرنے والے نجی اداروں کو قواعد کا پابند بنایا جائے۔
- ☆ بیماریوں سے بچاؤ پر اتنی ہی توجہ دی جائے جتنی ان کے علاج کی سہولیات پر دی جاتی ہے۔
- ☆ صحت سے متعلق آگاہی کے فروغ کے لیے چلائے جانے والے پروگراموں اور مہمات کو صحت سے متعلق پالیسیوں کا حصہ بنایا جائے۔
- ☆ مختلف بیماریوں کی ابتدائی درجے پر تشخیص اور علاج معالجے کو یقینی بنانے کے لئے سکریننگ پروگرام شروع کیے جائیں۔
- ☆ دیہی علاقوں میں قائم مراکز صحت میں قابل ڈاکٹر اور معاون عملہ مقرر کیا جائے اور ان کے لیے خصوصی مراعات کا اعلان کیا جائے۔
- ☆ ایسے عطائی جو معصوم لوگوں کی زندگیوں کو خطرے میں ڈالتے ہیں ان کے لئے بالکل برداشت نہ کرنے کی حکمتِ عملی اپنائی جائے۔
- ☆ تمام ادویات خاص طور پر زندگی بچانے والی ادویات کی بازار میں دستیابی اور لگاتار فراہمی یقینی بنائی جائے۔

سماجی اور معاشی حقوق

رہائش، اراضی پر قبضے اور شہری سہولیات

ریاست جنس، ذات، رنگ اور نسل سے بالاتر ہو کر معیار زندگی بہتر کر کے، عوام کی فلاح و بہبود کو یقینی بنائے گی۔۔۔

آئین پاکستان

[آرٹیکل نمبر-(الف)38]

ہر شخص ایک معقول معیار زندگی کا حق رکھتا ہے۔ جو اس کے خاندان کی صحت اور فلاح اور بہبود کی ضمانت فراہم کر سکے۔۔۔ جس میں رہائش کی سہولتیں بھی شامل ہیں۔

انسانی حقوق کا عالمی منشور

[آرٹیکل نمبر(1)25]

موجودہ میثاق کی توثیق کرنے والے تمام رکن ممالک ہر شہری کے اپنے اور اپنے خاندان کے لئے معقول معیار زندگی......بشمول مناسب خوراک، لباس اور ہاؤسنگ کے حق کو تسلیم کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی حالات زندگی میں مسلسل بہتری لانے کے اس کے حق کو بھی تسلیم کرتے ہیں۔۔۔

معاشی، سماجی اور ثقافتی حقوق کے بارے میں بین الاقوامی معاہدہ

[آرٹیکل-11(1)]

2018 میں سینکڑوں غیر قانونی ہاؤسنگ سوسائٹیاں، رئیل اسٹیٹ کی درجنوں غیر قانونی تجارتی سرگرمیاں، بڑے پیمانے پر تجاوزات، قبضے، اراضی ہتھیانے اور رہائشی منصوبوں میں بے ضابطگیوں کی اطلاعات منظر عام پر آتی رہیں۔ پاکستان کے تمام بڑے اور چھوٹے قصبوں میں غیر رسمی آبادیوں اور بڑے رہائشی منصوبوں کا سلسلہ جاری و ساری رہا۔ رئیل اسٹیٹ مافیا کا کاروبار پوری آب و تاب سے چلتا رہا اور اس کے نتیجے میں عوام کو زرعی زمینوں، تفریحی مقامات، پارکوں، خوبصورت مقامات، جنگلات اور پانی کے ذرائع سے محروم ہونا پڑا۔ سرکاری انفراسٹرکچر اور رہائش گاہوں کے حوالے سے پیش آنے والے حادثات میں کمی نہ آسکی۔ بعض کوششوں کے باوجود، قبرستانوں اور جائے عبادات کو باضابطہ نہیں بنایا جا سکا۔ گو رہائش گاہوں اور شہری سہولیات کو ضابطے میں لانے کے لیے کچھ اقدامات کیے گئے جن میں تجاوزات کے خلاف کارروائیاں اور بعض قانونی، انتظامی، سیاسی اور پالیسی سازی کے اقدامات شامل ہیں مگر ابھی بھی بہت کچھ کرنا باقی ہے۔

نئی حکومت نے غیر قانونی قبضے کے خاتمے کے لیے ملک گیر مہم کا آغاز کیا، مگر اس کے ساتھ غریب اور چھوٹے دکانداروں اور فروخت کاروں، نیز ملبے کو ہٹانے کا کام بہت سست اور غیر منظم تھا۔ بعض سکیموں کو غیر قانونی قرار دینے کے سرکاری نوٹیفکیشنوں اور اعلانات، نیز پٹیشنوں اور اعلیٰ عدالت کے ازخود نوٹس نے بعض سرکاری زمینیوں پر قبضوں اور رہائشی منصوبوں پر پابندی لگانے یا ان کی روک تھام میں بنیادی کردار ادا کیا۔ تاہم، یہ پیش رفت چند بنیادی اقدامات تک ہی محدود رہی۔ نوٹیفکیشن جاری ہوئے اور کئی رہائشی منصوبے اور سوسائٹیاں غیر قانونی قرار دی گئیں مگر ان اقدامات پر عملدر آمد سست اور انتہائی محدود اور ناقص منصوبہ بندی کا حامل تھا۔

غریب لوگوں کے لیے سستی رہائش کے بندوبست کی حکومتی مہم کے باوجود، عوام کو مؤثر رہائشی سہولتوں کے انتظامات کے مستقبل قریب میں آثار نظر نہیں آ رہے۔ اندرون ملک نقل مکانی اور شہروں میں آبادکاری کے باعث کئی لاکھ رہائشی یونٹ تعمیر کرنے کی ضرورت پڑ گئی ہے اور یہ تعداد ہر سال بڑھ رہی ہے۔ حکومت اور منڈی دونوں غریب اور کم آمدنی والے طبقوں کو مناسبت اور باضابطہ رہائش فراہم کرنے میں ناکام ثابت ہوئے ہیں۔

اراضی قبضے

زمینوں پر قبضے اور غیر قانونی تجاوزات کی روک تھام کے لیے بعض قابل ذکر اقدامات ضرور کیئے گئے مگر 2018 کا سال زمینوں پر قبضے، غیر قانونی پیشوں، تجاوزات اور چائنہ کٹنگ کے حوالے سے سابقہ سالوں جیسا ہی تھا۔ اکتوبر پر عمل بڑے اور چھوٹے شہروں میں جاری رہا مگر ملک کے بڑے شہروں میں اس کی رفتار اور شدت زیادہ تھی۔

کراچی میں بحریہ ٹاؤن اب ضلع ملیر میں 30,000 ایکڑ پر پھیلی ہوئی ہے۔ جون میں ایک نظر ثانی پٹیشن کی سماعت کے دوران عدالت عظمیٰ پاکستان نے قومی احتساب بیورو (نیب) کو بحریہ ٹاؤن کی انتظامیہ پر عائد تمام الزامات کی چھان بین اور تحقیقات کا عمل بند کرنے کی ہدایت کی باوجود اس کے کہ نیب نے اسی برس مئی میں کہا تھا کہ اس کے پاس ناقابل تردید شواہد ہیں جو ظاہر کرتے ہیں کہ بحریہ ٹاؤن کو اراضی غیری قانونی طریقے سے منتقل کی گئی تھی۔ ذرائع ابلاغ کے مطابق، نیب کی رائے میں اراضی پر قبضہ ہمیشہ بیوروکریسی کی سازباز اور طاقتور طبقوں کی مدد سے ہی ہوتا ہے۔

سوشل میڈیا پر ایک ویڈیو منظر عام پر آئی جس میں دکھایا گیا تھا کہ کراچی میں حکمران جماعت کے دو اراکین اسمبلی آپس میں جھگڑ رہے ہیں اور ایک دوسرے پر سرکاری اراضی ہتھیانے اور لوگوں کی املاک پر قبضے کے الزامات عائد کر رہے ہیں، سندھ اینٹی کرپشن اسٹیبلشمنٹ (اے سی اے) نے زمین ہتھیانے کے ایک دوسرے پر لگائے گئے الزامات کی تحقیقات شروع کر دیں اور کہا کہ اس کام میں ملوث عناصر کے خلاف کارروائی ہوگی خواہ وہ طاقتور ہی کیوں نہ ہوں۔

شہر کے ایک دورے کے دوران، سابق گورنر سندھ نے حکام کو ہدایت کی کہ شہریوں کے بنیادی مسائل حل کرنے کے لیے فوری اقدامات کیے جائیں۔ اطلاعات کے مطابق، گورنر نے بلدیہ ٹاؤن میں گھریلو صنعت پر قبضہ

گروپوں کے قبضے کے خلاف کارروائی کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ کارروائی نہ ہونے پر غصے کی حالت میں آ کر انہوں نے پولیس کوملوث لوگوں بشمول وہ جنہوں نے گھریلو صنعت پر قبضہ کیا تھا، کے خلاف کارروائی کرنے کا حکم دیا۔

ریونیو بورڈ کی تقریباً 31,687 کینال، لاہور ڈویلپمنٹ اتھارٹی (ایل ڈی اے) کی 636 کینال اور محکمہ جنگلات کی 35 ایکڑ اراضی قبضہ مافیا کے قبضے میں ہے۔ اسی طرح، میٹروپولیٹین کارپوریشن (ایم سی) کی تقریباً 32 عمارتیں اور کچھ پلاٹ قبضہ گیروں نے ہتھیائے ہوئے ہیں۔ یہاں تک کہ واٹرسٹی لاہوراتھارٹی کی زمین بھی لینڈ مافیا کے قبضے میں ہے۔

مظفرآباد، آزاد جموں وکشمیر میں، ضلع کوٹلی میں مقامی قبضہ گیر تاریخی ہندو مندروں کی اراضی پر قابض ہیں۔ اے جے کے کی عدالت عظمیٰ نے محکمہ سیاحت وآثار قدیمہ کے سربراہ اور ڈپٹی کمشنر کوٹلی کو معاملے کی تحقیقات کرنے اور دو ہفتوں کے اندر تفصیلی رپورٹ پیش کرنے کی ہدایت کی۔ چیف سیکرٹری کو ہدایت کی گئی کہ وہ اس حوالے سے دیے گئے عدالتی فیصلوں پر عملدرآمد کے لیے متعلقہ حکام کو ضروری احکامات جاری کریں۔ ایک پچھلے عدالتی فیصلے کا حوالہ دیتے ہوئے ''بینچ نے واضح کیا کہ مندروں کے گردونواح کی اراضی متروکہ نہیں ہے کہ کسی شخص کو الاٹ کر دی جائے نہ ہی اسے کسی دوسرے مقصد کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے۔

انسپکٹر جنرل پولیس (آئی جی پی) اسلام آباد کو زمینوں پر قبضے کی کئی شکایات موصول ہوئیں۔ آئی جی پی نے نومبر 2018 میں شہر بھر میں قبضہ گیروں کے خلاف مہم شروع کرنے کا حکم دیا اور کہا کہ قبضہ گیروں کا سراغ لگانے اور ان کی گرفتاری کے لیے تمام ذرائع بروئے کار لائے جائیں گے اور ضرورت پڑنے پر دیگر محکموں سے بھی مدد لی جائے گی۔

موجودہ حکومت نے اگست 2018 میں تجاوزات اور زمینوں پر قبضے کے خلاف پنجاب گیر مہم شروع کی۔ ستمبر میں نئے منتخب وزیراعظم نے وزرائے اعلیٰ اور وزراء کو ہدایت کی کہ وہ اپنے متعلقہ صوبوں میں تجاوزات کے خلاف فوری طور پر مہم شروع کریں اور قبضہ گروپوں کے خلاف کارروائی کریں۔ پی ایم نے صوبائی وزرائے اعلیٰ کو یہ ہدایت بھی کہ کہ غیر قانونی مکینوں کے گیس، ٹیلی فون اور بجلی کے کنکشن منقطع کر دیے جائیں۔ بیواؤں، یتیموں اور مفلسوں کی سہولت کے لیے انہیں اپنا سامان سمیٹنے کی اجازت دی گئی۔ سال کے اختتام پر، ملک کے تمام شہروں میں تجاوزات کے خلاف مہم بڑے زوروشور سے جاری تھی۔

غیر قانونی ہاؤسنگ اسکیمیں اور سوسائٹیاں

2018 میں غیر قانونی ہاؤسنگ اسکیموں، رہائشی سوسائٹیوں اور رئیل اسٹیٹ کے ناقص منصوبے پورے ملک میں پھیلے ہوئے تھے۔ چائنہ کٹنگ (عوام کی سہولیات کے لیے مختص اراضی کی دوبارہ پیمائش کرکے اسے رہائشی وتجارتی پلاٹوں کے لیے استعمال کرنا) کا سلسلہ بھی جاری رہا، بنیادی طور پر دارالخلاصوں میں مگر بڑے شہروں کی شہری آبادیوں میں بھی۔ ڈویلپمنٹ حکام کے پاس جعلی اور پرفریب ہاؤسنگ اسکیموں کی روک تھام کے لیے نہ تو عملہ تھا اور نہ ہی کوئی مؤثر نظام۔ عموماً، ایسے واقعات سے نبٹنے کے لیے جوڈیشل مجسٹریٹ دستیاب نہیں ہوتے اور پولیس تعاون

نہیں کرتی۔ اپریل میں، قبضہ گیروں، کے ہاتھوں ایک بلڈر کے مبینہ قتل کے وقوعے میں غفلت برتنے پر ایک سابق انسپکشن ہاؤس آفیسر سمیت تین پولیس اہلکار برخاست ہوئے۔ 23 اپریل کو، برخاست شدہ اہلکاروں سمیت چھ پولیس اہلکاروں کو غفلت، بدانتظامی اور نااہلی کے الزامات پر معطل کیا گیا۔ اس سلسلے میں، اراضی کے اندراج کی ملتان برانچ کے ''ریکارڈ کیپر'' (دستاویزات کی حفاظت پر مامور اہلکار) کو بھی پولیس نے گرفتار کیا تھا۔ قومی احتساب بیورو نے حکومت سندھ کو آپریٹو سوسائٹیوں کی نگرانی کرنے کی ہدایت کی تاکہ شہریوں کو زمینوں پر قبضہ کرنے والے عناصر سے تحفظ فراہم کیا جائے۔ شہریوں کو ہاؤسنگ سکیم یا سوسائٹی میں زمین خریدنے کے حوالے سے ضروری معلومات بھی دی گئیں۔ نئی ہاؤسنگ سوسائٹیوں اور اسکیموں کے لیے اراضی کی خرید، منتقلی یا بدلی کا عمل عموماً شفاف نہیں ہوتا۔

اکتوبر 2018 میں ہاؤسنگ سوسائٹیوں کے فورنزک آڈٹ کے مقدمے کی سماعت کے دوران، چیف جسٹس نے کہا کہ ہاؤسنگ سوسائٹیوں کا ریکارڈ جان بوجھ کر جلایا گیا ہے۔ عدالت عظمیٰ نے حکومت پنجاب کو ہدایت کی کہ وہ نئی ہاؤسنگ سوسائٹیوں کو اجازت نامے جاری نہ کرے۔

ستمبر 2018 میں، ایل ڈی اے نے لاہور میں تمام غیر قانونی ہاؤسنگ سوسائٹیوں کی فہرست جاری کی جن میں الرحمت ٹاؤن، تھیم پارک ویو ہاؤسنگ سکیم' کمبوہ کالونی، بن عالم سٹی اور کئی دیگر ہاؤسنگ سوسائٹیاں شامل تھیں۔ ایل ایچ سی نے حکومت کو ایک ماہ کے اندر پنجاب بھر میں موجود غیر قانونی ہاؤسنگ سوسائٹیوں کی فہرست تیار کرنے، نیز پورے معاملے کی تحقیقات کرنے کے لیے اعلیٰ سطح کمیٹی تشکیل دینے اور عدالت میں رپورٹ پیش کرنے کی ہدایت کی۔ اس سے قبل نیب کی فورنزک آڈٹ ٹیم نے سرگودھا میں 17 سے زائد غیر قانونی ہاؤسنگ سوسائٹیوں کے دفاتر بند کیے اور متعلقہ حکام کو پلاٹ یا گھر فروخت کرنے کا سلسلہ بند کرنے کا حکم جاری کیا۔ ڈائریکٹر جنرل نیب لاہور نے بھی کہا کہ شہر میں تقریباً 700 ہاؤسنگ اسکیمیں غیر قانونی ہیں اور نگرانی کے ذمہ دار حکام کو ان سوسائٹیوں میں بے ضابطگیوں کا ذمہ قرار دیا۔ خیابان امین کے 200 متاثرین کو ساڑھے چار ارب مالیت کے قبضہ لیٹر دیتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ہاؤسنگ ریگولیٹرز' اپنے قانونی فرائض انجام دینے میں ناکام رہے تو بیورو ان کے خلاف سخت کارروائی کرے گا۔

گوادر بندرگاہ کی تکمیل اور سی پیک منصوبے کے اعلان کے بعد سے ساحلی شہر گوادر میں کئی ہاؤسنگ اسکیمیں سامنے آ رہی ہیں۔ بلوچستان میں نیب نے آڈٹ کیا اور گوادر میں 70 سے زائد مبینہ جعلی ہاؤسنگ سکیموں کا ریکارڈ ضبط کیا۔ ڈویلپرز اینڈ بلڈرز ایسوسی ایشن (بلوچستان) نے یہ کہہ کر نیب کے اقدام کو متنازعہ قرار دیا کہ این او سی کی حامل اسکیمیں دھوکہ دہی کی مرتکب نہیں ہوسکتیں۔

کیپٹل ڈویلپمنٹ اتھارٹی (سی ڈی اے) کی غفلت کی وجہ سے اسلام آباد میں چیزیں بہت جلد بازی میں اور بے ہنگم طریقے سے ہو رہی ہیں، خاص طور پر قانونی وغیر قانونی ہاؤسنگ سوسائٹیوں کے پھیلاؤ کی بدولت۔ دارالحکومت میں تقریباً 150 ہاؤسنگ سوسائٹیاں فعال ہیں، ان میں سے زیادہ تر میں سکول، کھیل کے میدان، پارک، قبرستان اور مساجد جیسی شہری سہولیات نہیں۔ عوامی سہولیات کے لیے مختص زمین کا ان کے منتظمین کی طرف سے ناجائز

نیب نے گوادر میں 70 مبینہ جعلی ہاؤسنگ اسکیموں کے ریکارڈ ضبط کیے

استعمال ہو رہا ہے۔

اکتوبر میں سی ڈی اے نے تمام ہاؤسنگ سوسائٹیوں سے کہا کہ وہ اپنی عمارتوں کے منصوبے منظور کروائیں بصورت دیگران کے خلاف کارروائی کی جائے گی۔ سی ڈی اے نے ان سوسائٹیوں کے خلاف کارروائی کرنے کا ارادہ بھی کیا جنہوں نے منظور شدہ ڈیزائن کی خلاف ورزی کی تھی یا کھیل کے میدانوں، ڈاکخانوں، سکولوں، پارکوں یا مساجد اور پارکنگ کی جگہ کو رہائشی علاقوں میں تبدیل کیا تھا۔

کیپٹل ڈویلپمنٹ اینڈ ایڈمنسٹریٹو ڈویژن (سی اے ڈی ڈی) سی ڈی اے اور آئی ای ایس سی او اب وزارت داخلہ (ایم او آئی) کے ماتحت ہیں، ایم او آئی نے سی ڈی اے کو ان افسران کے نام بتانے کا کہا جنہوں نے اسلام آباد اور اس کے گردنواح میں زمین پر غیر قانونی قبضے میں مدد کی تھی۔ ہاؤسنگ سوسائٹیوں کے قبضے سے رہائشی اراضی واگزار کرانے کی مہم میں مذکورہ اتھارٹی نے ایک نجی ہاؤسنگ سوسائٹی کے غیر قانونی قبضے سے 250 ایکڑ (2000 کنال) زمین واگزار کروائی ہے۔

سخت کارروائی کے نتیجے میں، اسلام آباد اور اس کے گردنواح میں تقریباً 54 منظور شدہ ہاؤسنگ سوسائٹیوں نے اپنی رہائشی و تجارتی تعمیرات شروع کرنے کے لیے سی ڈی اے کو حلف نامے جمع کرائے تاہم، چائنہ کٹنگ کا عمل راولپنڈی اور اسلام آباد میں بھی جاری رہا۔ راول ڈیم، سیکٹر جی۔13 اور ای۔11 کے بعض علاقے اس عمل کا نشانہ بنے ہیں۔

رہائش کے لیے سرمایے کی فراہمی اور عوامی رہائشی منصوبے

ملک میں اس وقت تقریباً 70 لاکھ سے ایک کروڑ گھروں کی قلت ہے۔ پاکستان مورٹ گیج ریفائنس کمپنی (پی ایم آر سی) نے چھ ارب روپے کے ابتدائی سرمائے سے اپنی سرگرمیاں پہلے سے ہی شروع کی ہوئی ہیں۔ کمپنی

قرضداروں اور استعمال کنندوں کو سستے بھاؤ پر گھروں کے لیے قرضے اور رہن ناموں کی پیش کش کرتی ہے اور نیشنل بینک پاکستان (این بی پی) کے مطابق، کمپنی معاشرے کے کم آمدنی والے لوگوں کے رہائشی مسائل حل کرتی ہے اور جھونپڑیوں کی تعداد میں کمی لانے میں مددگار ثابت ہو رہی ہے۔

2017-18 کے مالیاتی سال کے دوران گھروں کے لیے سرمائے کی فراہمی میں 16 اعشاریہ دو فیصد اضافہ ہوا ہے۔ رقم 10 ارب روپے سے زائد تھی جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس فنڈ میں خاطر خواہ اضافہ ہوا ہے مگر قرضے کی شرائط سخت ہونے کی وجہ سے قرض لینے والوں کی تعداد بہت کم تھی۔

گھروں کی فراہمی اور اس کام میں مدد کے معاملے کا شمار سماجی ترقی کے انتہائی پیچیدہ پہلوؤں میں ہوتا ہے کیونکہ اس معاملے میں 'کیوں' اور؛ کیسے' جیسے سوالات پر بہت زیادہ غور و خوض کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ موجودہ حکومت کے خیال میں ملک کی ڈگمگاتی معیشت کو سہارا دینے کے لیے لوگوں کو گھروں کی فراہمی اس کا بنیادی منصوبہ ہے۔ بینک دولت پاکستان نے سستے بھاؤ پر سرمایہ دینے کے لیے 'سستی ہاؤسنگ فنانس کی پالیسی کے فروغ' کا اعلان کرتے وقت حکومت اور پی ایم آر سی کو اعتماد میں لیا تھا۔ حکومت نے اپنے حالیہ چھوٹے بجٹ میں، 8276 سستے رہائشی یونٹوں کی تعمیر کے لیے صرف ساڑھے چار ارب روپے مختص کیے تھے جبکہ دوسری طرف حکومت نے اعلان 50 لاکھ رہائشی یونٹ بنانے کا کیا ہوا ہے۔ توقع ہے کہ مارچ 2019 میں عالمی بینک اس منصوبے کی معاونت کی مد میں چودہ کروڑ، پچاس لاکھ امریکی ڈالر فراہم کرے گا۔

سستی رہائش کی فراہمی میں ناکامی

جنوبی ایشیا میں تیز رفتاری سے شہر کاری میں تبدیل ہونے والے ممالک میں پاکستان پہلے نمبر پر ہے۔ ملک میں میں ہر سال 700,000 رہائشی یونٹوں کی ضرورت پیدا ہوتی ہے جبکہ دستیاب یونٹوں کی تعداد تقریباً 250,000 ہے۔ شہروں میں ہر سال 350,000 رہائشی یونٹوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ضرورت مندوں میں 62 فیصد نچلے طبقے کے لوگ، 25 فیصد نچلے متوسط آمدنی والے لوگ اور 10 فیصد اعلیٰ اور اعلیٰ متوسط آمدنی والے لوگ ہیں۔ شہروں میں ہر سال بمشکل 150,000 یونٹ دستیاب ہوتے ہیں۔ بعض دیگر اندازوں کے مطابق، ہر برس 250,000 یونٹوں کی طلب بڑھ رہی ہے اور تقریباً 90 لاکھ یونٹوں کی پہلے سے ہی کمی ہے۔ کئی دہائیوں سے کوئی بھی بڑا رہائشی منصوبہ شروع نہیں کیا گیا جبکہ نچلے طبقے اور نچلے متوسط طبقے کی گنجان آبادیوں کی وجہ سے گھروں کی طلب میں بہت زیادہ اضافہ ہوا ہے۔ دیہاتوں سے شہروں میں نقل مکانی کی رفتار بہت تیز ہے۔ دیہات اب اپنے مکینوں کی کفالت کرنے کے قابل نہیں رہے، خاص طور پر معاشی لحاظ سے۔ گھروں کی قلت جوں جوں بڑھتی جا رہی ہے غریبوں کی بہت بڑی تعداد کا کرائے کی منڈی اور غیر رسمی شعبے پر انحصار بڑھتا جا رہا تھا۔

یکے بعد دیگرے آنے والی حکومتوں کے بلند و بانگ دعووں کے باوجود غریب کے لیے سستی رہائش کے منصوبوں پر کوئی پیش رفت نہیں ہو رہی یا پھر بہت کم ہو رہی ہے۔ یہ پیش رفت آبادی میں اضافے کی رفتار کا مقابلہ

فیصل آباد میں لوگ نیا پاکستان ہاؤسنگ اسکیم کے لیے اپنا اندراج کروانے کے لیے ڈی سی آفس کے باہر کھڑے ہیں،
ملک کے دیگر حصوں میں بھی یہی مناظر دیکھنے کو ملے

کرنیا ورچھوٹے وبڑے شہروں، خاص طور پر کراچی میں لاکھوں لوگوں کو گھر فراہم کرنے کے چیلنج سے نبٹنے سے قاصر ہے۔ رہائش کا جامع منصوبہ نہ بنایا گیا تو پھر حالات کے بگڑنے کے علاوہ اورکوئی صورت نظرنہیں آرہی۔ غیر منصوبہ بندی، غیر رسمی اور غیر قانونی آبادیاں سرایت کرگئی ہیں اور ریاست اور منڈی کم آمدنی والے گھرانوں کو مناسب رہائش فراہم کرنے میں مسلسل ناکام ثابت ہورہی ہیں۔ نیا پاکستان ہاؤسنگ پروگرام (این پی ایچ پی) جس میں حکمران جماعت نے اعلان کیا تھا کہ وہ ایسوسی ایشن آف بلڈرز اینڈ ڈویلپرز پاکستان (آباد) کے ساتھ مل کر پاکستان بھر میں 50 لاکھ سستے گھر بنائیں گے، کی پرزور تشہیر کے بعد، ہاؤسنگ ٹاسک فورس کے چیئرمین نے انکشاف کیا کہ تمام درخواستگزاروں کو اپنے گھر کی مکمل قیمت کا 20 فیصد پیشگی ادا کرنا ہوگا۔

اراضی کا ریکارڈ اور ریونیو

پنجاب لینڈ ریکارڈ اتھارٹی (پی ایل آر اے) نے تمام متعلقہ معلومات کو ایک ساتھ اکٹھا کرنے کا بیڑہ اٹھایا تاکہ یہ معلومات یونین کونسل کی حد تک حکومت کی تمام سطحوں پر قابل رسائی ہوسکے۔ اتھارٹی کا یہ بھی منصوبہ تھا کہ پنجاب کے تمام 36 اضلاع میں کمپیوٹرائزڈ لینڈ ریکارڈ سنٹرز (سی ایل آر سیز) کے قیام کے بعد لینڈ ریکارڈز وگینیں متعارف کروائی جائیں گی تاکہ عوام کو ان کی املاک کے ملکیتی کاغذات گھر کی دہلیز پر دیے جاسکیں۔ پنجاب حکومت نے دعویٰ کیا ہے کہ 36 میں سے 28 ضلعوں میں سی ایل آر سیز قائم ہوگئے ہیں۔ تاہم، یہ دیکھنا ابھی باقی ہے کہ یہ نظام کس حد تک مؤثر ہے۔ اطلاعات کے مطابق، ٹیکسلا میں تربیت یافتہ عملے کی عدم دستیابی اور ناقص کمپیوٹر سسٹم کی وجہ سے ریکارڈز مینجمنٹ انفارمیشن سسٹم صحیح طرح کام نہیں کرسکا۔ فروری میں اطلاعات ملیں کہ مقامی لوگوں کو اپنی جائیداد

کی فروخت، خرید اور منتقلی جیسے معاملات نبٹانے میں دشواریاں پیش آئیں۔ جو لوگ اپنی اراضی کی فرد (حقوق کا ریکارڈ) حاصل کرنا چاہتے تھے انہیں علی الصبح ایل آر ایم ائی ایس سنٹرز جا کر ٹوکن لینے کے بعد ایک صفحے کی دستاویز لینے کے لیے لمبی قطاروں میں کھڑا ہونا پڑا۔ سنٹرز کے عملے نے ایک دن میں 50 ٹوکن جاری کیے۔ اطلاعات کے مطابق، کوائف کی جمع بندی کے 15 مقامات تھے جن میں سے 10 مقامات خالی تھے۔

دعویٰ یہ کیا گیا تھا کہ لینڈ ریکارڈ کمپیوٹرائزیشن عوام کے مفاد میں ہے کیونکہ اس نے پٹواریوں (ریونیو اہلکاران) کا کردار کم کر دیا ہے۔ تاہم، اگست میں یہ اطلاع منظر عام پر آئی کہ اثر ورسوخ والے پٹواریوں کو محکمہ ریونیو میں 'منافع بخش' عہدے دیے گئے ہیں۔

پارکوں اور عوامی مقامات پر تجاوزات

کراچی میونسپل کارپوریشن کے سابق ناظم کی پٹیشن کی سماعت کے دوران، عدالت عظمیٰ نے متعلقہ حکام کو ہدایت کی کہ شاہراہ کشمیر پر شادی ہالوں سمیت تمام غیر قانونی تعمیرات گرائی جائیں ماسوائے سومنگ پولز، سکیٹنگ رنک اور اسکواش یا ٹینس کورٹس کے۔ اعلیٰ عدالت نے ایڈووکیٹ جنرل سندھ کو بھی عدالت کے احکامات کی تعمیل میں مدد کرنے کی ہدایت کی۔ عدالت نے کے ڈی اے کو عوامی پارکوں سے تمام ناجائز تجاوزات اور غیر قانونی تعمیرات ہٹانے کی ہدایت کی۔ عدالتی احکامات کی عدم تعمیل کی ایک اور پٹیشن کی سماعت کرتے ہوئے، ایس سی کے دو رکنی بنچ کے مشاہدے میں آیا کہ شہر کے عوامی پارک کچھ افراد کو الاٹ کر دیے گئے ہیں۔ عدالت نے حکم دیا کہ الاٹمنٹ فوری طور پر منسوخ کی جائے۔

انخلاء اور اراضی کے تنازعات

ایک عدالتی کمیشن نے مانسہرہ کی انتظامیہ کو حکم دیا کہ وہ نیو بالاکوٹ رہائشی منصوبے کے لیے حاصل کی گئی زمین غیر قانونی قابضین سے خالی کرائے۔ یہ احکامات پشاور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس کے پرنسپل سیکرٹری کی جانب سے منعقد کیے گئے ایک اجلاس کے بعد جاری کیے گئے۔

گزشتہ سالوں کی طرح اس سال بھی شہری اور شہر سے ملحقہ علاقوں میں عارضی رہائشیوں کی مسماری، انخلاء اور بے دخلی جاری رہی۔ جولائی میں حکام نے سپریم کورٹ کے احکامات پر عمل کرتے ہوئے کراچی میں پاکستان کوارٹرز کی حدود اور وفاقی حکومت کے ملازمین کے لیے دیگر رہائشی علاقوں سے غیر قانونی قابضین کے انخلاء کے لیے پولیس کی بھاری نفری کے ساتھ ایک آپریشن شروع کیا۔ اگرچہ انخلاء کا عمل قانون کے مطابق تھا تاہم اس کے نتائج خوفناک تھے۔ احتجاج کرنے والے لاتعداد مردوں اور خواتین کو پولیس نے لاٹھیوں کی مدد سے تشدد کا نشانہ بنایا اور انہیں واٹر کینن کی مدد سے پیچھے دھکیل دیا۔ رہائشیوں اور پولیس کے درمیان جھڑپوں کے دوسرے روز قانون نافذ کرنے والے اہلکاروں سمیت تقریباً 12 افراد زخمی ہوئے۔ درجن کے قریب مظاہرین کو گرفتار کر لیا گیا۔ اس افراتفری

تجاوزات کے خلاف آپریشن کے دوران پولیس اور مقامی لوگوں کی جھڑپ

کو دیکھتے ہوئے سپریم کورٹ نے اپنی مقررہ مدت میں توسیع کری، لیکن صرف دو ماہ کے لیے۔

مسیحی افراد کی ایک بڑی تعداد نے اس وقت شدید احتجاج کیا جب ایل ڈی اے کی ایک ٹیم اور شہری انتظامیہ انخلاء کے احکامات کے ساتھ لاہور میں جوہر ٹاؤن کے گاؤں سمسانی پہنچی۔ مظاہرین نے انخلاء کے حکومتی منصوبوں کے حوالے سے اس کے خلاف نعرے بلند کیے۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ اس علاقے میں کئی عشروں سے رہ رہے تھے۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ حکومت 50 لاکھ نئے گھر تعمیر کرنے کی بجائے بھاری مشینری استعمال کرتے ہوئے بے گھر افراد کی تعداد میں اضافہ کر رہی تھی۔

شہری انتظامیہ کی ٹیم نے شالیمار اسسٹنٹ کمشنر کی قیادت میں لاہور کی کنال روڈ پر واقع غیر قانونی شادی ہالز کو مسمار کرنا شروع کیا۔ پولیس کو 30 کینال اراضی واگزار کرانی تھی لیکن انخلاء کے دن 3000 کے قریب لوگ جمع ہوئے اور سڑک کو ٹائر جلا کر بلاک کر دیا۔ آخر کار، انہوں نے ریاستی زمین واگزار کرانے کی حکومتی کوشش ناکام بنا دی اور پولیس کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا۔ مظاہرین نے گاڑیوں پر پتھراؤ کیا اور راہگیروں سے بدتمیزی کی۔

سیکڑوں مظاہرین نے گاؤں 153 مانک کے رہائشیوں کے انخلاء کے احکامات کے خلاف احتجاج کیا۔ مظاہرین نے ٹائر جلائے اور ضلعی انتظامیہ اور حکمران جماعت کے خلاف نعرے لگائے۔ ان کا مؤقف تھا کہ وہ کئی عشروں سے وہاں رہ رہے تھے۔

سال کے دوران زمینی تنازعات کے باعث ہونے والی ہلاکتوں کی متعدد اطلاعات سامنے آئیں۔ ضلع اورکزئی اور بونیر میں زمینی اور خاندانی جھگڑوں کے نتیجے میں ایک شخص اور اس کے بیٹے سمیت سات افراد ہلاک ہوئے۔ ضلع اورکزئی کی مرکزی تحصیل میں متحارب گروہوں کے درمیان تصادم کے نتیجے میں متعدد افراد زخمی ہوئے۔

ضلع تورغر میں زمین کے تنازعے پر اکازئی اور گجر قبائل نے ایک دوسرے کے گھر نذرِ آتش کر دیے۔ ضلعی انتظامیہ نے کشیدگی ختم کرنے کے لیے ایک جرگہ بلالیا۔

باجوڑ میں، دو گروہوں کے درمیان زمین کے ایک قطعے پر ہونے والے جھگڑے میں دو افراد ہلاک ہوئے۔ بڑانگ تحصیل کے علاقے کمال درہ میں متحارب گروہوں کے درمیان فائرنگ کے تبادلے میں ایک شخص اور اس کا بیٹا ہلاک اور ایک شخص زخمی ہوگیا۔ مقامی انتظامیہ کے ایک عہدے دار کا کہنا تھا کہ معاملے کی تحقیقات اور تنازعے کے حل کے لیے عمائدین اور لیویز فورس کے اہلکاروں پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دے دی گئی تھی۔

عمارتیں منہدم ہونے اور آتش زدگی کے واقعات

ناقص، بے ضابطہ، غیر محفوظ اور زائد المعیاد رہائشی اور سرکاری عمارتیں منہدم ہونے کی متعدد اطلاعات سامنے آئیں۔ چھتیں اور دیواریں گرنے کے واقعات میں متعدد افراد ہلاک اور زخمی ہوئے جس سے بہت سے گھروں اور عمارتوں میں تعمیر کی مایوس کن صورتحال کی عکاسی ہوتی تھی۔

کراچی کے علاقے لیاقت آباد میں ایک تین منزلہ خستہ حال عمارت منہدم ہونے کے نتیجے میں کم از کم چھ افراد ہلاک اور نو زخمی ہوئے۔ ان میں چار خواتین بھی شامل تھیں جو ملبے تلے دب گئی تھیں۔ رائیونڈ کے علاقے کھارا چوک کے قریب ایک رہائشی عمارت منہدم ہونے کے نتیجے میں ایک آٹھ سالہ بچہ جاں بحق ہوگیا۔ پیرا گون سٹی میں پھلرواں کے علاقے میں ایک عمارت منہدم ہوگئی جس کے نتیجے میں ایک بچہ ہلاک اور تین افراد زخمی ہوئے۔

باجوڑ کے علاقے میں آندھی کے باعث دیواریں اور چھتیں گرنے کے واقعات میں نو افراد ہلاک اور 13 زخمی ہوئے۔ ہلاک اور زخمی ہونے والے زیادہ تر افراد کا تعلق ماموند اور خار تحصیل سے تھا۔ علاوہ ازیں، اس طرح کے دیگر مختلف واقعات اور شدید بارشوں اور آندھیوں نے خیبر پختونخوا اور (سابق) وفاق کے زیرِ انتظام قبائلی علاقہ جات کو بری طرح متاثر کیا۔

پشاور کے علاقے نیساتہ میں گھر کی دیوار منہدم ہونے کے نتیجے میں دو کمسن بچیاں جاں بحق ہوگئیں۔

کوئٹہ میں، مشرقی بائی پاس کے علاقے میں دو مزدور اور ایک چوکیدار اس وقت جاں بحق ہو گئے جب ایک دیوار، جو وہ تعمیر کر رہے تھے، ان پر گر گئی۔

عبادت گاہیں اور قبرستان

بڑھتی ہوئی آبادی، خستہ حالی، مرمت کی کمی، اور موجودہ قبرستانوں میں کم گنجائش پاکستان کے متعدد بڑے شہروں کے لوگوں کے لیے لمحہ فکریہ رہا۔ حتیٰ کہ قبرستان اور تدفین کی جگہیں بھی تجاوزات قائم کرنے والوں، لینڈ مافیا اور خود کو بلڈرز اور منتظمین کہنے والوں کی زیادتیوں سے محفوظ نہیں ہیں۔

کراچی میں قبرستانوں کی شدید قلت کے باوجود کراچی میونسپل کارپوریشن (کے ایم سی) نے 237 میں

سے کئی قبرستانوں میں تدفین کی سرکاری طور پر ممنوع قرار دے رکھا ہے۔ کے ایم سی کا 237 میں سے 224 قبرستانوں پر پہلے ہی کوئی اختیار نہیں رہا۔ کراچی کے لوگ پریشان ہیں کہ وہ اپنے رشتے داروں کی میت کو کیسے اور کہاں دفنائیں۔ مرکزی شاہراہوں کے اردگرد چھ قبرستانوں کی تعمیر کی منظوری کا عمل تا حال زیر التوا ہے۔

اسلام آباد میں دو پرانے مندر ہیں جن کا استعمال کم ہی ہوتا ہے۔ ان میں سے ایک سید پور گاؤں اور ایک راول ڈیم کے قریب ہے جو اسلام آباد میں رہنے والے تقریباً 100 خاندانوں (800 ہندوؤں) کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے ناکافی ہیں۔ سید پور کا مندر ایک تفریح گاہ میں تبدیل ہو چکا ہے جبکہ راول ڈیم مندر کا مقدمہ چل رہا ہے اور ہندوؤں کو اس میں داخل ہونے اجازت نہیں ہے۔ دیگر الفاظ میں، دارالحکومت میں ایسا ایک بھی مندر باقی نہیں بچا جہاں ہندو برادری عبادت کر سکے اور ہولی، دیوالی، دوسہرا اور دیگر مذہبی اور ثقافتی تہوار منا سکے۔ وہ اپنی رسومات اور تہوار منانے کے لیے گھروں تک محدود رہتے ہیں۔ وفاقی دارالحکومت میں ایک بھی شمشان گھاٹ نہیں ہے، سو انہیں اپنی میتوں کو تدفین کے لیے یا تو راولپنڈی یا پھر اپنے آبائی علاقوں میں لے جانا پڑتا ہے۔ جڑواں شہروں میں صرف ایک کشادہ اور فعال مندر ہے۔ راولپنڈی کینٹ کے رہائشی علاقوں میں چند چھوٹے مندر تو ہیں لیکن انہیں فعال کرنے کی ضرورت ہے۔

24 مئی 2017 کو شہر خموشاں قبرستان ایکٹ منظور کیا گیا اور اس کے تحت شہر خموشاں اتھارٹی قائم کی گئی تا کہ صوبہ پنجاب میں منظم اور ماڈل قبرستان قائم کیے جا سکیں اور کسی بھی قسم کی مذہبی، سماجی و معاشی یا ذات کی تفریق سے بالاتر ہو کر تمام مذاہب سے تعلق رکھنے والی برادریوں کو تدفین کی سہولیات فراہم کی جا سکیں۔ شہر خموشاں ماڈل قبرستان نے لاہور میں کام شروع کر دیا ہے۔ ملتان، سیالکوٹ، ساہیوال، سرگودھا اور فیصل آباد میں ابھی تک شہر خموشاں مکمل نہیں ہو سکے۔ اتھارٹی کی جانب سے پنجاب کے تمام 36 اضلاع میں تدفین کی سہولیات کی فراہمی متوقع ہے۔

ایدھی فاؤنڈیشن نے ملک میں نعشوں یا لاوارث میتوں کی تدفین کا سب سے بڑا نیٹ ورک برقرار رکھا ہوا ہے۔ فاؤنڈیشن نے مختلف شہروں جیسے کہ کراچی، لاہور اور راولپنڈی میں قبرستان تعمیر کیے ہیں جہاں اس نے ان غیر شناخت شدہ نعشوں کی تدفین کا معاہدہ کر رکھا ہے جو ڈوبنے، قتل یا ٹریفک حادثات کے نتیجے میں برآمد ہوتی ہیں۔ کفن اور تابوت ان لوگوں کو بلا معاوضہ فراہم کیے جاتے ہیں جو اپنے رشتے داروں کی تدفین کے اخراجات برداشت نہیں کر سکتے۔

اپریل میں، مسیحیوں کے ایک گروہ نے ایک چرچ کے زیر ملکیت قبرستان پر قبضے کے خلاف مظاہرہ کیا۔ مظاہرین نے لاہور پریس کلب کے سامنے سڑک کو دو گھنٹے سے زائد وقت تک بلاک کیے رکھا۔ گورا قبرستان ایکشن کمیٹی (جی او اے سی) نے لاہور کے وسط میں واقع مسیحی قبرستان ضبط کیے جانے کے خلاف ریلی کا انعقاد کیا تھا۔ کمیٹی طویل عرصے سے قبرستان کے ایک ریٹائرڈ نگران کے خاندان کو وہاں سے ہٹانے کا مطالبہ کر رہی ہے۔ یہ خاندان قبرستان میں تین رہائشی عمارتیں استعمال کر رہا ہے۔ گزشتہ سال سپریم کورٹ نے اپنے انسانی حقوق سیل پر برہمی کا اظہار کیا تھا اور اسے دو ہفتوں کے اندر اپنی رپورٹ جمع کرانے کو کہا تھا۔ میڈیا رپورٹ کے مطابق صرف لاہور میں کم

از کم تین قبرستانوں پر ناجائز قبضہ کیا گیا تھا۔

مئی میں، اطلاعات کے مطابق، سوات سے تعلق رکھنے والی سکھ، ہندو اور مسیحی برادریوں نے صحافیوں کو بتایا کہ انہیں عبادت، تدفین یا مردوں کو جلانے کی جگہ کی عدم دستیابی کے باعث مشکلات کا سامنا تھا۔ اجلاس کا انعقاد جرنلسٹس فار ڈیموکریسی اینڈ ہیومن رائٹس (جے ڈی ایچ آر) نے کیا تھا۔

اگست میں، حیدرآباد کی ہندو برادری نے پولیس اور ان بااثر شخصیات کے خلاف مقامی پریس کلب کے سامنے مظاہرہ کیا جنہوں نے، اطلاعات کے مطابق ان کے شمشان گھاٹ پر قبضہ کر رکھا تھا۔ انہوں نے حکام سے اپیل کی کہ وہ قبضہ شدہ زمین انہیں واپس دلوانے میں ان کی مدد کریں اور تمام ملوث افراد کے خلاف کارروائی کریں۔

سفارشات

- ☆ ایک واحد اتھارٹی جیسے کہ ضلعی ڈویلپمنٹ اتھارٹی جو ہر ضلع میں پہلے سے موجود ہے، کو رہائشی اسکیموں کو منظور کرنے، مسترد کرنے اور انہیں باقاعدہ بنانے کا اختیار دیا جائے۔ متعدد قانونی، تکنیکی، ماحولیاتی، انتظامی، اور سرکاری شرائط کے بغیر کسی بھی رہائشی سوسائٹی کی اجازت نہ دی جائے۔
- ☆ پاکستان ادارہ شماریات کی مدد سے ایک ہاؤسنگ پرائس انڈیکس (ایچ پی آئی) اور ہاؤسنگ ایکس انڈیکس (ایچ اے آئی) قائم کیا جائے تاکہ کسی بھی ضلع میں ہاؤسنگ کی صورتحال کا اندازہ لگایا جاسکے۔ اس کے علاوہ طلب کو پورا کرنے کے لیے ہاؤسنگ کی شکل اور وسعت پر تحقیق کی جائے۔
- ☆ ہر صوبے میں ہاؤسنگ منصوبے ترتیب دیے جائیں اور شہری علاقوں اور شہر سے ملحقہ علاقوں میں رہنے والوں، ریلوے ٹریکس کے اطراف میں رہنے والوں، پلوں کے نیچے رہنے والوں اور ان خانہ بدوشوں کے لیے آسانی پیدا کی جائے جو نجی یا سرکاری جگہوں سے انخلاء کے نتیجے میں ایک جگہ سے دوسری جگہ نقل مکانی کرتے ہیں یا سکونت اختیار کرتے ہیں۔
- ☆ لاہور، ملتان کے اندرون شہر اور تمام بڑے اور چھوٹے قصبوں کی قدیم تاریخی عمارتوں کا تحفظ کیا جائے۔ متعلقہ اداروں کو غیر قانونی تعمیرات اور تجاوزات کو ممنوع قرار دینے اور مسمار کرنے کا اختیار دیا جائے، اور تاریخی عمارتوں اور دیگر یادگاروں کے تحفظ اور تذین و آرائش کے لیے خاطر خواہ وسائل مہیا کیے جائیں۔
- ☆ مختلف سرکاری اور نجی عمارتوں کا مناسب تخمینہ لگایا جائے اور اگر یہ عمارتیں اپنی مدت پوری کر چکی ہوں یا انہیں قدرتی طور پر یا زلزلے یا آتش زدگی یا کسی اور بناء پر غیر محفوظ قرار دیا جا چکا ہو تو انہیں مسمار کر دیا جائے۔ ان عمارتوں کے لیے حفاظتی معیار متعارف کرائے جائیں اور ان کی باقاعدگی اور بروقت مسماری اور دوبارہ تعمیر عمل میں لائی جائے تاکہ ہر سال ہونے والی المناک اموات پر قابو پایا جاسکے۔ شہری اداروں اور امدادی ٹیموں کے درمیان تعاون کو بہتر بنایا جائے تاکہ وہ آتش زدگی کے واقعات میں بروقت اور مناسب اقدامات کر سکیں۔

ماحولیات

تمام انسان، ایسے ماحول کا بنیادی حق رکھتے ہیں، جو ان کی صحت اور فلاح و بہبود کے تمام تقاضوں کو پورا کرے۔
تمام ممالک، ماحول کا تحفظ کریں گے اور قدرتی وسائل کو، موجودہ اور آنے والی نسلوں کی بہتری کے لیے استعمال کریں گے۔
تمام ممالک، ماحول کے تحفظ کے سلسلے میں مناسب اور موزوں معیار قائم کریں گے اور ماحولیاتی معیار اور قدرتی وسائل کے استعمال میں آنے والی تبدیلی کو مانیٹر اور متعلقہ اعداد و شمار کو منظر عام پر لائیں گے۔

ماحولیاتی تحفظ اور قابل توثیق ترقی کے لیے مجوزہ قانونی اصول

[آرٹیکل 1-2 اور 4]

موجودہ اور آئندہ نسلوں کی بھلائی کے لیے فریق ریاستیں منصفانہ بنیادوں پر اپنی مشترکہ مگر ممتاز ذمہ داریوں اور استعداد کے مطابق ماحولیاتی نظام کا تحفظ یقینی بنائیں گی۔

ماحولیاتی تبدیلی پر اقوام متحدہ کا فریم ورک کنونشن

آرٹیکل 3- رہنما اصول

ماحولیاتی تبدیلی سے متعلق تعلیم، تربیت اور شعور عامہ کو فروغ دیا جائے، اور باہمی تعاون کیا جائے، اس عمل میں غیر سرکاری تنظیموں سمیت عام شرکت کی حوصلہ افزائی کی جائے۔

آرٹیکل 4(1)(i)

ماحولیاتی صحت کے اعتبار سے پاکستان کا شمار دنیا کے بدترین ممالک میں کیا جاتا ہے۔ 2018 میں yale یونیورسٹی کی شائع کردہ ماحولیاتی پرفارمنس کے انڈیکس کے مطابق 180 ممالک کی فہرست میں پاکستان 177 ویں نمبر پر ہے۔ اس تحقیق کے مطابق پاکستان میں آبی اور فضائی آلودگی، حفظان صحت کی مخدوش صورت حال اور ماحول میں بھاری دھاتوں کی موجودگی کے اثرات سالانہ 340,000 اموات کا باعث بنتے ہیں۔

2018 میں اپنی مدت پوری کرنے والی حکومت نے ماحولیاتی تحفظ کے حصول میں متعدد کامیابیاں حاصل کرنے کا دعویٰ کیا تھا۔ ان اقدامات میں بہاولپور میں شمسی توانائی سے بجلی پیدا کرنے کا منصوبہ، متعدد بڑے شہروں میں بسوں کے ذریعے آمدورفت کے بڑے منصوبے اور خیبر پختونخوا میں شجرکاری کی مہم شامل ہیں۔ 2018 میں مشترکہ مفادات کی کونسل نے پاکستان کی پہلی آبی پالیسی منظور کی اور پاکستان موسمیاتی تبدیلی کونسل کا قیام عمل میں آیا۔

تاہم یہ امر بحث طلب ہے کہ ان اقدامات سے ماحولیاتی تخریب کی روک تھام اور اس تخریب سے جڑے

صحت عامہ اور روزگار کے مسائل کو حل کرنے میں کیا مدد ملی۔ ان شعبوں میں ناکامی کا ذمہ دار عموماً ماحولیاتی تحفظ کے موجودہ قوانین پر عملدرآمد کے لیے درکار مالی، تکنیکی اور انسانی وسائل کے فقدان کو ٹھہرایا جاتا ہے۔

تحریک انصاف جو کہ موجودہ حکمران جماعت ہے، پانی ذخیرہ کرنے کے بڑے منصوبوں، شجرکاری اور ماحول دوست سرمایہ کاری کے ذریعے" ماحول دوست ترقی" کو ترجیح دینے کا دعویٰ کرتی ہے۔ وزیراعظم نے بذاتِ خود 13 اکتوبر 2018 کو"صاف اور سرسبز پاکستان مہم" کا آغاز کیا، مہم کے اغراض و مقاصد میں فضلہ تلف کرنا، حفظان صحت کی سہولیات فراہم کرنا اور ملک بھر میں پینے کے صاف پانی تک رسائی یقینی بنانا شامل ہیں۔

اگر چہ طرز عمل اور وسعت کے اعتبار سے نئی حکومت کے منصوبے سابقہ حکومت کے"سرسبز پاکستان پروگرام" سے بے حد مختلف ہیں، تاہم ناقدین کے خیال ہے کہ موجودہ حکومت کے اقدامات بھی سابقہ حکومتوں کے منصوبوں ہی کی طرح ناکام ثابت ہوں گے۔ کیونکہ یہ منصوبے گزشتہ منصوبوں کی طرح ماحولیاتی تخریب سے بننے والے بنیادی عوامل کو دور کرنے سے قاصر ہیں۔

موسمیاتی تبدیلی

اپریل میں نواب شاہ میں درجہ حرارت 50 ڈگری سینٹی گریڈ سے اوپر چلا گیا جس کے باعث پاکستان کو دنیا کا گرم ترین مقام قرار دیا گیا کیونکہ اُس ماہ دنیا بھر کے کسی اور خطے میں اتنا زیادہ درجہ حرارت ریکارڈ نہیں ہوا تھا۔ محکمہ موسمیات کے ڈائریکٹر کو تسلیم کرنا پڑا کہ ''موسمیاتی تبدیلی مجموعی طور پر ملک کے درجہ حرارت پر اثر انداز ہو رہی ہے''۔

اگرچہ پاکستان فضا میں خارج کی جانے والی گرین ہاؤس گیسوں کے ایک فیصد سے بھی کم حصے کا ذمہ دار ہے، لیکن پاکستان نے عالمی ماحولیاتی بحران سے نمٹنے کی کوششوں میں اپنا کردار ادا کرنے کے لیے 2016 میں پیرس معاہدے پر دستخط کیے تھے۔ جس کے تحت پاکستان نے رضاکارانہ طور پر قوانین اور اقدامات کے ذریعے 2030 تک گرین ہاوس گیسوں کے اخراج میں 20 فیصد کمی پر رضامندی ظاہر کی ہے۔ پاکستان کے وژن 2025 کے تحت لگائے جانے والے فوسل ایندھن سے بجلی پیدا کرنے کے کارخانے اور دیگر صنعتیں لگائی جائیں گی، ان منصوبوں کے باعث پاکستان سے گرین ہاؤس گیسوں کے اخراج میں 300 فیصد تک اضافہ متوقع ہے۔ اگرچہ گرین ہاؤس گیسوں کے اخراج میں کمی کے اقدامات عالمی امداد سے مشروط ہیں۔ پاکستان کے وزیر برائے ماحولیاتی تبدیلی نے اقوام متحدہ کے ماحولیاتی سمٹ کے دوران دسمبر 2019 میں اقوام متحدہ کی ماحولیاتی اجلاس سے قبل اس وژن پر مکمل نظر ثانی کا امکان ظاہر کیا۔ اس اجلاس میں انہیں نائب صدر اور مندوب کے طور پر شریک ہونا ہے۔

جرمن واچ کی جانب سے جاری کردہ گلوبل کلائمٹ رسک انڈیکس 2019 کے مطابق پاکستان ان دس ممالک میں شامل ہے جہاں ماحولیاتی تبدیلی کے اثرات سب سے شدید ہوں گے، جہاں گزشتہ دو دہائیوں کے دوران آبادی اور معیشت کو شدید موسمی آفات کا سامنا رہا ہے۔

2018 کے دوران ملک میں جہاں ایک طرف بلوچستان میں شدید خشک سالی رہی، برفانی تودوں کے

2018 میں بلوچستان میں شدید قسم کی خشک سالی دیکھنے کو ملی

پگھلاؤ میں اضافہ ہوا اور اس کے نتیجے میں خیبر پختونخوا اور گلگت بلتستان میں سیلاب اور مٹی کے تودے گرنے کے واقعات پیش آئے، ساحلی کٹاؤ ہوا، اور سندھ میں ریکارڈ گرمی پڑی (جس میں نوابشاہ میں اپریل کے مہینے میں اب تک کا سب سے زیادہ درجہ حرارت بھی شامل ہے)، وہیں پنجاب اور سندھ میں مون سون میں آنے والے تغیر اور درجہ حرارت میں غیر معمولی تبدیلی کے باعث زرعی پیداوار بے یقینی کا شکار رہی۔

علاوہ ازیں، ماحولیاتی تبدیلی کے اس عمل سے وسائل کے بے دریغ استعمال اور قدرتی وسائل کو آلودہ کرنے کے نتیجے میں پیدا ہونے والے ماحولیاتی مسائل کی شدت میں اضافہ ہوا ہے، جو کہ قدرتی مساکن کی تباہی کا باعث بھی بن رہے ہیں۔ ستمبر 2018 میں ماحولیاتی تبدیلی کی وزارت نے جنگلی حیات اور ان کے مساکن کے تحفظ کی پالیسی تشکیل دینے کا اعلان کیا۔

اگرچہ پاکستان موسمیاتی تبدیلی ایکٹ کی منظوری ایک مثبت پیش رفت تھی، تاہم اس قانون میں مذکور فوری نفاذ کی شرط دو برس گزر جانے کے باوجود عملدرآمد کی منتظر ہے اور نہ ہی اس قانون کے نفاذ کے لئے درکار ادارے تاحال قائم کئے جا سکے ہیں۔ خزاں 2018 میں وزیر اعظم کی سربراہی میں پاکستان کونسل برائے ماحولیاتی تبدیلی قائم کی گئی۔ جس کے ارکان میں چاروں وزرائے اعلیٰ اور متعلقہ محکموں کے وزیر شامل ہیں۔ البتہ ماحول سے متعلق پالیسی سازی، گرین ہاؤس گیسوں کے اخراج پر نظر رکھنے کا نظام وضع کرنے، اور سالانہ رپورٹ تیار کرنے کا ذمہ دار ادارہ قومی اتھارٹی برائے ماحولیاتی تبدیلی' تاحال قائم نہیں کیا جا سکا۔ اسی طرح ماحولیاتی تبدیلی کا پاکستانی فنڈ بھی ہنوز زیرِ التواء ہے۔

دسمبر 2017 میں ایکشن آن کلائمٹ ٹوڈے کی جانب سے شائع کردہ جائزے کے مطابق ماحولیاتی تبدیلی کی وزارت تب تک اپنے فرائض سرانجام نہیں دے سکتی جب تک کہ متعلقہ اتھارٹی کو فعال نہ کیا جائے۔ اس جائزے میں ماحولیاتی ڈویژن کے مختلف شعبوں سے متعلق پائے جانے والے ابہام پر تشویش کا اظہار کیا گیا ہے، جائزے کے مطابق وزارت کے زیادہ تر وسائل غیر ملکی دوروں پر صرف کیے جا رہے ہیں۔

ماحولیاتی تبدیلی اور اس کے بارے میں کیے جانے والے اقدامات کے اخراجات کے متعلق وزیراعظم کے مشیر برائے ماحولیاتی تبدیلی کے ایشیائی ترقیاتی بنک کے ممبران کے ساتھ ملاقاتیں کی ہیں، اس پر انہوں نے ایک بیان میں کہا ہے کہ پاکستان اب تک ماحولیاتی تبدیلی پر 14 ارب روپے خرچ کر چکا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ پاکستان گرین ڈویلپمنٹ فنڈ سے برفانی تودوں کے پگھلاؤ کی نگرانی کے لیے تین کروڑ ستر لاکھ ڈالر خرچ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔

جنگلات کا کٹاؤ

وزارت برائے ماحولیاتی تبدیلی، محکمہ جنگلات اور ای پی ڈی کی معاونت سے دس ارب درخت لگانے کا سونامی پروگرام چلا رہی ہے، اس پروگرام کے تحت شہروں میں پانچ برس کے دوران دس ارب درخت لگائے جانے ہیں۔ وزیراعظم نے کے پی میں چلائے جانے والے بلین ٹری پروگرام کی کامیابی کو سراہتے ہوئے اسے قوم کے لیے مثال قرار دیا۔ ان کے مطابق اس مہم کا مقصد برفانی تودوں کے پگھلاؤ سے ہونے والے زمینی کٹاؤ کی روک تھام اور سموگ/ ماحولیاتی مسائل کو حل کرنا ہے۔ تاہم محققین یہ سوال اٹھاتے رہے ہیں کہ کیا شجرکاری سے پاکستان میں گرین ہاوس گیسوں کا اخراج کم کرنے میں خاطر خواہ مدد ملے گی یا نہیں۔ محققین نے ان مہمات کے غیر یکساں اثرات پر بھی سوال اٹھائے ہیں۔ مثال کے طور پر کے پی میں خالی پڑی زمین پر جنگلات اگانے کے پروگرام پر عثمان اشرف کی تحقیق 'پاکستان میں جنگلات اُگانے کی پولیٹیکل اکالوجی' کے مطابق زمین کے مالکان کو کاربن کے اخراج کی اجازت کی مد میں غیر ضروری فائدہ پہنچایا گیا، جبکہ مویشی پالنے والے گجر چرواہے اور دیگر برادریوں کے لوگ جو کہ ان پر انحصار کرتے تھے بے دخل کر دیئے گئے ہیں جس سے ان لوگوں کی پسماندگی میں اضافہ ہو رہا ہے۔

جنگلات کے تحفظ کے قوانین کے باوجود لکڑی کی غیر قانونی تجارت جاری ہے۔ اپریل اور اگست میں سماجی کارکنان اور مقامی زعما نے محکمہ جنگلات پر الزام لگایا کہ وہ ضلع میں جنگلات کی غیر قانونی کٹائی روکنے میں ناکام رہا ہے، جو کہ عموماً رات کے وقت ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں سوات ستمبر کے مہینے میں ایک بار پھر خبروں میں تھا جب مقامی افراد نے محکمہ جنگلات کے خلاف سڑک کنارے پرانے درخت گرانے کا الزام عائد کیا، یاد رہے کہ یہ واقعہ تب پیش آیا جب حکومت نے ملک بھر میں اربوں درخت لگانے کی مہم شروع کی تھی۔

شہری پھیلاؤ سے بھی درختوں کو نقصان کا اندیشہ ہے۔ سپریم کورٹ نے اپریل میں بلوچستان کے سیکرٹری برائے اطلاعات و ورکس کی جانب سے لنک روڈ کی توسیع کے لیے درختوں کی کٹائی کا جواز پیش کرنے کے لیے جمع کرائی گئی رپورٹ کو مسترد کیا۔

ستمبر میں سپریم کورٹ نے ایکو واچ ٹرسٹ کی جانب سے جمع کرائی گئی پٹیشن سماعت کے لیے منظور کی، پٹیشن میں ملک بھر میں جنگلات کی مخدوش صورت حال اور پاکستان فاریسٹ ایکٹ پر عملدرامد کے لیے قائم کی جانے والی کمپنی میں سنگین بے ضابطگیوں کی نشاندہی کی گئی تھی۔ سابقہ حکومت نے اپنے ایک فیصلے کے ذریعے جنوبی پنجاب فاریسٹ کمپنی (ایس پی ای سی) قائم کی تھی۔ کمپنی کے قیام کا مقصد جنوبی پنجاب کی 134,995 ایکڑ بے آباد اور کلرائی ہوئی زمین پر جنگلات اگانے کے لیے پرائیویٹ سرمایہ کاروں کو راغب کرنا تھا۔

عدالت اس امر سے مطمئن نہیں تھی کہ تمام کام ایک پرائیویٹ کمپنی سے کرایا جائے، عدالت کو اس بات کا یقین تھا کہ اس سلسلے میں کمپنی کو بے جا رعایت دی گئی ہے۔ عدالت نے پنجاب کی نئی کابینہ کو اس سکیم پر نظر ثانی کرتے ہوئے نئے سرے سے مذاکرات کے ذریعے بہتر شرائط پر معاملات طے کرنے کا حکم دیا۔

اگرچہ شجرکاری ماحولیاتی تبدیلیوں سے ہونے والے نقصان دہ اثرات کے تدارک کا ایک مقبول ذریعہ ہیں، تاہم اس ضمن میں یہ خیال رکھا جانا ضروری ہے کہ درختوں کی وہ اقسام اگائی جائیں جو پانی کی قلت سے پیدا ہونے والے دشوار حالات کا مقابلہ کرنے کی سکت رکھتی ہوں۔

پانی

مئی میں بلوچستان حکومت نے کلائمٹ گلوبل کنٹرول ٹریڈنگ نامی روسی کمپنی سے معاہدے کا اعلان کیا۔ معاہدے کے مطابق کمپنی خشک سالی کے شکار علاقوں میں مصنوعی بارش برسانے میں صوبائی حکومت کی مدد کرے گی۔

تازہ پانی کی قلت اور بڑھتی ہوئی آبادی کے لیے پانی کی طلب میں اضافے سے فی فرد پانی کی مقدار تیزی سے کم ہو رہی ہے

2015 میں ایسا ہی ایک منصوبہ سندھ حکومت کے بھی زیر غور تھا، تاہم اس حوالے سے کوئی پیش رفت نہیں ہوسکی۔ بلوچستان، سندھ اور ملک کے دیگر حصوں میں خشک سالی کی سی کیفیت تھی، مگر تھر میں صورت حال کہیں زیادہ بری تھی۔ خشک کنووں، زیر زمین آلودہ پانی اور فصلوں اور مویشیوں کی تباہی سے ہر گزرتے سال کے ساتھ تھر میں صورت حال خراب تر ہوتی جا رہی ہے۔ صرف 2018 میں بیماریوں، وباؤں اور غذائی کمی کا شکار 500 بچے کر ہلاک ہوئے۔ اس سب کے باوجود اس صورت حال کا کوئی حل نکلتا دکھائی نہیں دے رہا۔

نومبر میں واپڈا کے سربراہ نے آگاہ کیا، کہ پاکستان پانی کی کمی کے شکار ممالک میں شامل ہونے کو ہے، بجائے اس کے کہ ایسی صورت حال میں پانی ذخیرہ کرنے کی صلاحیت میں اضافہ کیا جائے، وقت کے ساتھ ساتھ ملک میں پانی ذخیرہ کرنے والے ڈیموں کی پانی جمع کرنے کی صلاحیت میں ایک چوتھائی کمی واقع ہوگئی ہے۔ اس قسم کی تنبیہات اس سے قبل بھی جاری کی جا چکی ہیں تاہم کسی کے کان پر جوں تک نہیں رینگی۔ 2017 میں پاکستان کونسل آف ریسرچ ان واٹر ریسورسز (پی سی آر ڈبلیو آر) نے کہا کہ اگر خاطر خواہ اقدامات نہ کیے گئے تو پاکستان" پانی کی کمی" والے ملکوں کی فہرست سے نکل کر ''پانی کی قلت'' کے شکار ممالک میں شامل ہو جائے گا۔

مشترکہ مفادات کونسل نے پاکستان کی پہلی آبی پالیسی مئی میں منظور کی ہے۔ اس پالیسی کی واحد خاص بات شاید اس کی منظوری میں اس قدر تاخیر تھی۔ آبی قلت ملک کو درپیش اہم ترین مسائل میں سے ایک ہے، یہ دیکھنا ابھی باقی ہے کہ آیا اس پالیسی میں مستقبل کے لیے کوئی لائحہ عمل موجود ہے یا نہیں؟ اور کیا اس کے کوئی ٹھوس نتائج سامنے آئیں گے یا نہیں؟ پانی کا شدید بحران پہلے سے ہی موجود ہے۔ اس مسئلے کی سنگینی میں شُبے کی گنجائش نہیں۔ صاف پانی کے ذخائر میں کمی اور آبادی میں بے ہنگم اضافے کی وجہ سے فی کس دستیاب پانی کی مقدار میں تیزی سے کمی آ رہی ہے۔

قومی آبی پالیسی کی تشکیل کے دوران ہی واٹر اینڈ سینی ٹیشن ایجنسی (واسا) نے گرمیوں میں پانی کی بلاتعطل فراہمی کے لیے 65 نئے ٹیوب ویل لگائے جبکہ 105 کی مشینری تبدیل کی۔

واسا کے مطابق بعض ٹیوب ویل وزیر اعظم کے پائیدار ترقیاتی اہداف کے پروگرام کے تحت لگائے گئے۔ نئے ٹیوب ویلوں کی تنصیب سے واسا کے زیر انتظام فعال ٹیوب ویلوں کی تعداد 576 ہوگئی۔ زیر زمین پانی کی سطح میں خطرناک کمی کے پیش نظر ایک مربوط قومی پالیسی کی ضرورت کو مزید اہمیت حاصل ہوگئی ہے۔

آبی آلودگی

ورلڈ بنک کی ایک رپورٹ میں جہاں غربت میں کمی، غذائی تنوع میں اضافے اور کھلے عام رفع حاجت کے رجحان میں کمی کا اعتراف کیا گیا وہیں انسانی فضلے کو مناسب انداز میں ٹھکانے نہ لگانے کے باعث زیر زمین اور سطح زمین پر موجود پانی کے آلودہ ہونے کا انکشاف بھی کیا گیا۔ ''جب پانی خطرہ بن جائے، پاکستان میں پانی کی فراہمی، حفظان صحت، غربت اور بچوں کی ناقص نشوونما پر اس کے اثرات کی صورت حال پر ایک تشخیصی رپورٹ'' کے مطابق

ملک بھر میں پانی کے معیار اور حفظان صحت کی سہولیات کی دستیابی میں شدید عدم توازن ہے۔ دیہی علاقوں میں پینے کے صاف پانی کی فراہمی کے پائپوں، نکاسی آب کی سہولتوں اور انسانی فضلے کو ٹھکانے لگانے کے منصوبوں میں سرمایہ کاری نہ ہونے کے برابر ہے۔ حالات کچھ اس طرح ہیں کہ ترقی یافتہ شہری علاقے بھی ان مصائب سے محفوظ نہیں۔ فصلوں کو دیئے جانے والے پانی میں آلودہ پانی کی آمیزش کے باعث مرض آور جراثیم گھروں تک پہنچ رہے ہیں۔

رپورٹ میں فضلے کو ٹھکانے لگانے اور صاف پانی کی فراہمی کے منصوبوں میں فوری سرمایہ کاری کی تجویز دی گئی ہے۔ ان اقدمات کے اثرات کئی برس بعد سامنے آئیں گے، رپورٹ میں پانی حاصل کرنے کے مقامات کے ساتھ ساتھ کمیونٹی اور محلے کی سطح پر صاف پانی میں فضلے کی آمیزش اور بیماریوں کی ترسیل کی روک تھام کے لیے فوری اقدامات کی سفارش کی گئی۔

اکتوبر میں پاک امریکہ مرکز برائے آبی تحقیق اور پاکستان کونسل برائے سائنٹفک ریسرچ کے محققین کی ایک تحقیق میں حیدرآباد کے پانی میں اینٹی بائیوٹک ادویات کے خلاف مزاحمت کرنے والے بیکٹیریا کی موجودگی خطرناک سطح تک پائی گئی۔

کان کنی کے باعث زیرزمین پانی کا معیار گر رہا ہے، کان کنی کی وجہ سے صاف پانی میں کھارے پانی اور آلائشوں کے ساتھ ساتھ آرسینک، سیسہ اور فلورائڈ جیسی بھاری دھاتیں بھی شامل ہو جاتی ہیں۔

قومی آبی پالیسی کی تشکیل کے لیے منصوبہ بندی کمیشن کی جانب سے جون میں ایک مشاورتی سیشن منعقد کیا گیا۔ سیشن کے دوران پاکستان کی جانب سے اقوام متحدہ کی دہائی برائے عمل (28-2018) کو اپنانے کا اعلان کیا گیا۔ اس منصوبے میں پائیدار ترقیاتی پروگرام کے تحت پانی کی فراہمی، پانی کے ذخائر کے نظم وضبط کو مربوط بنانا اور کراچی، گوادر، پسنی، جیوانی کیٹی بندر اور دیگر ساحلی علاقوں کو تطہیر شدہ سمندری پانی کی فراہمی شامل ہیں۔

کانفرنس کے شرکاء کو بتایا گیا تھا کہ ٹائیفائڈ اور ملیریا جیسی بیماریاں پانی کی وجہ سے پھیلنے والی بیماریوں میں عام ہیں، لیکن بہاولنگر اور گوجرانوالہ میں یرقان کے مریضوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ ستلج، راوی، ملیر اور لیاری اب آلودہ پانی سے بھرے ہوئے ہیں اور اسلام آباد کو صاف پانی فراہم کرنے کے ذرائع بیماریوں کے پھیلاؤ کا باعث بن رہے ہیں۔

سمندری آلودگی

ماہرین نے کلفٹن کے ساحل کی خراب ہوتی صورت حال پر تشویش کا اظہار کیا ہے۔ ساحل پر حفظان صحت کی صورت حال بہتر ہونے اور آلودہ پانی کے سمندر میں اخراج کے بند ہونے تک، ماہرین نے شہریوں پر زور ڈالا تھا کہ وہ آلودہ سمندری پانی میں نہانے سے اجتناب کریں اور بچوں کو آلودہ ساحلی ریت پر کھیلنے سے منع کریں۔

سپریم کورٹ کے قائم کردہ کمیشن برائے پانی وحفظان صحت کی جانب سے آلودہ پانی سمندر میں چھوڑنے پر

کلفٹن کنٹونمنٹ بورڈ اور ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی کو تنقید کا نشانہ بنایا گیا۔ وزارت دفاع کے ایک اہلکار نے عدالت کو یقین دلایا تھا کہ عدالت کے احکامات پر عملدرآمد کرتے ہوئے سیلابی نالوں میں چھوڑے جانے والے آلودہ پانی کا رخ چار ماہ کے اندر پانی صاف کرنے کے کارخانے کی طرف موڑ دیا جائے گا۔ چیف سیکرٹری سندھ نے کمیشن کو آگاہ کیا کہ بحری آلودگی کم کرنے کی ٹاسک فورس تشکیل دے دی گئی ہے۔

کراچی میں فضلے کو ٹھکانے لگنے کے نظام اور گودی کی حالت بہتر بنانے کی حکومتی کوششوں پر تبصرہ کرتے ہوئے ماہرین کا کہنا تھا کہ بڑھتی ہوئی سمندری آلودگی کا مسئلہ حل کرنے کے لیے ایک جامع حکمت عملی مرتب کرنے کی ضرورت ہے، اس حکمت عملی میں ماحول دوست طریق ہائے کار اپنانے والی صنعتوں کے لیے رعایتیں بھی شامل ہونی چاہییں۔ یہ سمندری آلودگی آبی حیات کے خوراک کے حصول کے ذرائع کو زہریلا کر دیتی ہے جو کہ کئی آبی مخلوقات کی بقاء کے لیے خطرہ ہے۔ ماہرین نے ماحول سے متعلقہ محکموں کے اہلکاروں کی صلاحیتوں میں اضافے کے لیے تربیت اور قواعد وضوابط کے اطلاق پر بھی زور دیا۔

فضائی آلودگی

ڈبلیو ڈبلیو ایف پاکستان کی 2018 کی رپورٹ پاکستان کے موجودہ ماحولیاتی قواعد وضوابط ایک جائزہ نامی رپورٹ کے مطابق گزشتہ تین سردیوں کے دوران پنجاب کے بڑے شہر، جہاں 65 فیصد صنعتیں موجود ہیں، ایک دبیز، بدبودار اور گرد آلود دھند کی لپیٹ میں آئے رہے۔

ماحولیاتی تبدیلی کی وجہ سے موسم سرما کے اوسط درجہ حرارت میں اضافہ ہو رہا ہے، دھند کے سلسلے (اور اس کی آلودہ صورت سموگ) کے سلسلے میں کمی آئی ہے۔ اگرچہ زیادہ شفاف سموگ کی موجودگی کا مطلب بحران کا حل نہیں، موجودہ سیکرٹری ماحولیات اور وزیر ماحولیات حال ہی میں سموگ میں لپٹے دنوں کی تعداد میں کمی کو پنجاب کلین ایکشن ائیر پلان کے مختلف حصوں کے کامیاب نفاذ سے تعبیر کر چکے ہیں۔ پنجاب حکومت کا دعویٰ ہے کہ اس نے کوڑے کرکٹ اور فصلوں کے جھاڑ کو جلانے پر پابندی عائد کی ہے، اینٹوں کے بھٹوں کو تب تک بند رکھا جب تک انہوں نے زیادہ موثر اور کم آلودگی پھیلانے والی ٹیکنالوجی نہیں اپنالی، اور زیادہ دھواں چھوڑنے والی گاڑیوں کو جرمانوں کے ذریعے پچاس لاکھ روپے کی رقم اکٹھی کی۔

اگرچہ ایکشن پلان کے بعض حصوں پر جزوی عملدرآمد ہوا ہے، مگر بہت سی شقوں جیسے ''تمام گاڑیوں کے لازمی معائنے کے نظام''، جس پر جنوری 2018 میں عملدرآمد شروع کیا جانا تھا، کو مکمل نظرانداز کر دیا گیا ہے۔ شہری سوشل میڈیا اور ذرائع ابلاغ کے ذریعے ماحول کو آلودہ کرنے والی غیر قانونی سرگرمیوں کے بلا روک ٹوک جاری رہنے کی نشاندہی کر چکے ہیں، خاص کر چھاؤنی کے علاقوں میں جہاں ماحولیاتی قوانین پر خاطر خواہ عمل نہیں کیا جاتا۔

فضائی معیار پر محکمہ تحفظ ماحولیات پنجاب کے اپنے جاری کردہ اعداد و شمار کے مطابق کئی برس سے پاکستان کے شہر آلودہ اور نقصان دہ ہوا کی لپیٹ میں ہیں۔ 2018 میں فضائی کثافت سے متعلق اعداد و شمار کے مطابق

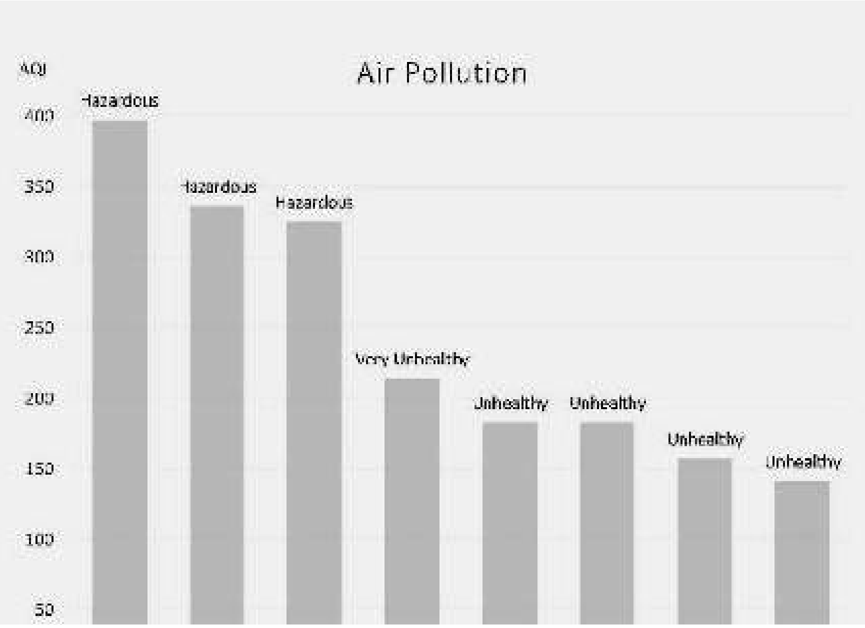

ذریعہ معلومات: یوایس۔ای پی اے ائیر کوالٹی انڈیکس کی بنیاد پر پاکستان ائیر کوالٹی انیشی ایٹو

پاکستان کا شمار پورے سال دنیا کے دس آلودہ ترین شہروں میں رہا، جس میں سے نصف عرصے کے لیے لاہور دنیا کے تین سب سے زیادہ آلودہ شہروں میں شامل رہا۔ سموگ کمیشن کی سفارشات پر عملدر آمد کی نگرانی کے لیے سپریم کورٹ کی جانب سے فضائی آلودگی پر قائمہ کمیٹی بنائی گئی، ان سفارشات میں فضائی معیار سے متعلق اعداد و شمار کی نگرانی اور ایئر کوالٹی انڈیکس کے 300 مائکروگرام فی مکعب میٹر سے متجاوز ہونے کی صورت میں صحت عامہ میں ہنگامی حالت کا نفاذ شامل ہیں۔ اس کے باوجود نگرانی اور ریگولیشن کے پاکستانی اداروں کا اصرار رہا کہ صحت عامہ کی ہنگامی حالت کے نفاذ کے لیے درکار اعداد و شمار دستیاب نہیں۔

عام لوگوں سے اکٹھے کیے گئے پاکستان ایئر کوالٹی انڈیکس کے اعداد و شمار کے مطابق، سال کے زیادہ تر حصے میں، بالخصوص بچوں، خواتین، بوڑھوں، بیماروں کے لیے جن کی قوت مدافعت کمزور ہو۔ ہوا کا معیار غیر صحت مند تھا۔ ژیل کے ماحولیاتی کارکردگی کے اشاریے کے مطابق، پاکستان میں آلودگی کے باعث ہونے والی سالانہ 340,000 اموات میں سے ستر فیصد کی ذمہ دار فضائی آلودگی ہے۔ ایسی اموات عموماً سٹروک یا دل کے امراض کے باعث ہوتی ہیں۔

2018 میں پاکستان کے فضائی معیار کے اعداد و شمار کے مطابق (نیچے دیکھئے) 2018 کے اختتام پر ملک بھر میں مضر صحت اور نقصان دہ فضائی آلودگی (سال بھر سے) زیادہ تھی۔

مبصرین نے فضائی آلودگی کی روک تھام کے اداروں کی ناقص حکمت عملی کی بھی نشاندہی کی، یہ ریگولیٹری ادارے آلودگی پھیلانے کے بڑے ذرائع کی بجائے چھوٹے ذرائع کو ختم کرنے میں کوشاں رہے، مبصرین کے

نزدیک اس امر سے واضح ہے کہ یہ ادارے آلودگی پھیلانے کے عمل سے وابستہ طاقت و اختیار کے نظام اور طبقاتی جہت کو بھانپنے سے قاصر رہے۔ مثال کے طور پر سموگ پالیسی میں سیمنٹ بنانے کے کارخانے یا ایسی ہی دوسری بڑے پیمانے پر آلودگی پھیلانے والی صنعتوں، کوئلے سے چلنے والے بجلی کے کارخانوں، آمدورفت اور باربرداری کے ذرائع سے پھیلنے والی آلودگی کی روک تھام کی بجائے کسانوں اور اینٹوں کے بھٹوں میں تبدیلیوں پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔

پنجاب گرین ڈویلپمنٹ کے لیے عالمی بنک کے ساتھ 2017 میں 20 کروڑ ڈالر کا معاہدہ کیا گیا، معاہدے کا مقصد محکمہ تحفظ ماحولیات میں عمارتوں کی پڑتال کی صلاحیت بڑھانا اور آلودگی پھیلانے والی صنعتوں میں ماحول دوست ٹیکنالوجی میں سرمایہ کاری کرنا تھا۔ یہ فنڈز تا حال جاری نہیں کیے جا سکے۔ حکومت سٹیٹ بنک آف پاکستان اور انٹرنیشنل فنانس کارپوریشن کے ذریعے گرین بانڈ جاری کرنے کا بھی ارادہ رکھتی ہے۔

فوسل ایندھن

شمسی یا ہوائی توانائی جیسے قابل تجدید ذرائع استعمال میں لانے کے عالمی رجحان کے برخلاف پاکستان کوئلے سے بجلی پیدا کرنے کے کارخانے قائم کر رہا ہے۔ سی پیک کے تحت لگائے جانے والے بجلی کے 17 کارخانوں میں سے 9 کارخانے کوئلے سے چلائے جائیں گے۔ یہ بجلی ملک کو درپیش توانائی کا بحران حل کرنے کی غرض سے پیدا کی جا رہی ہے، توانائی کے اس بحران نے ملکی معیشت کو تباہ کر دیا ہے اور صنعتوں اور گھروں کو یکساں متاثر کیا ہے۔

سرکاری اہلکار اس بات کی یقین دہانی کرا چکے ہیں، یہ منصوبے ملکی اور بین الاقوامی ماحولیاتی قوانین کے مطابق ہوں گے اور آلودگی کم کرنے کے لیے سب سے موثر ٹیکنالوجی کا استعمال کریں گے۔

تاہم ان یقین دہانیوں سے ماحولیاتی کارکنوں کے تحفظات دور نہیں ہوئے۔ تھر سے نکالا جانے والا کوئلہ لگنائٹ ہے جو توانائی پیدا کرنے کی کم تر صلاحیت اور کاربن ڈائی آکسائڈ پیدا کرنے کے حوالے سے جانا جاتا ہے۔ کوئلہ نکالنے اور اسے جلا کر بجلی پیدا کرنے کے عمل میں بہت زیادہ پانی استعمال ہوتا ہے۔ مقامی دیہاتیوں کی جانب سے پہلے ہی زیر زمین پانی کا رخ موڑنے اور فضلے کے اخراج سے ہرے بھرے میدانوں کے نمکین جھیلوں میں بدل جانے کی شکایات سامنے آنے لگی ہیں۔ ان کے مصائب میں کمی کے کوئی آثار نہیں کیوں کہ توانائی کے یہ منصوبے بڑے پیمانے پر پانی استعمال کریں گے، جبکہ ملک پہلے ہی پانی کی کمی کا شکار ہے۔

ماہرین کی جانب سے سندھ ایجنسی برائے ماحولیاتی تحفظ (سیپا) کی صلاحیتوں پر اٹھائے گئے شکوک شبہات اس وقت مزید گہرے ہو گئے جب مئی میں پورٹ قاسم کی جانب سے صحت عامہ کو مکمل طور پر نظر انداز کرتے ہوئے اپنی حدود میں کوئلے کی تیاری کی اجازت دینے کی خبر سامنے آئی۔ خبر کے مطابق یہ فیصلہ کرنے سے پہلے سیپا کی جانب سے ماحولیاتی اثرات کے جائزے کی رپورٹ کا بھی انتظار نہیں کیا گیا۔ یہ تیسرا موقع تھا جب اس منصوبے سے متعلق اپنے تحفظات کا اظہار کیا تھا۔

اس علاقے کا دورہ کرنے والے افراد کے مطابق کوئلہ لانے لے جانے، اٹھانے اور ٹھکانے لگانے کے

عمل کے دوران کسی قسم کے حفاظتی اقدامات نہ کیے جانے کے باعث یہ علاقہ خاص کر قریبی دفاتر بری طرح متاثر ہوئے ہیں۔ تمام علاقے پر کوئلے کی گرد چھائی ہوئی تھی جس کی وجہ سے سانس لینا دشوار تھا۔ اس منصوبے کے باعث آس پاس لگائی گئی خوردنی اشیاء تیار کرنے، ادویات اور کیمیکل بنانے، پانی صاف کرنے، خوردنی اور خام تیل تیار کرنے والے، تیل صاف کرنے اور گاڑیاں تیار کرنے کے کارخانوں سمیت دیگر صنعتوں کے لیے بھی خطرات پیدا ہوئے ہیں۔

توانائی کے قابل تجدید ذرائع

حکومت نے 2030 تک توانائی پیدا کرنے کی ملکی صلاحیت میں ہوا سے بجلی پیدا کرنے کی شرح پانچ فیصد کرنے کا دعویٰ 2006 میں کیا تھا۔ حکومت کی جانب سے کھلی نیلامی اور نجی شعبے کو دی جانے والی مراعات میں کمی کے باعث، 2018 میں اس ہدف کے قابل حصول ہونے سے متعلق تحفظات کا اظہار کیا جانے لگا۔ توانائی کے قابل تجدید ذرائع کی تعمیر کے لیے سہولیات فراہم کرنے، انہیں فروغ دینے اور ان کی حوصلہ افزائی کرنے کے لیے قائم کیے گئے متبادل توانائی بورڈ کو پرائیویٹ پاور اینڈ انفراسٹرکچر بورڈ میں ضم کر دیا گیا، جس سے قابل تجدید ذرائع سے بجلی بنانے سے متعلق حکومتی موقف میں تبدیلی کا اظہار ہوتا ہے۔ ایل این جی اور فوسل ایندھن پر انحصار، اور تھر میں ملنے والے کوئلے کے ذخائر کا استعمال اس تبدیلی کے ثبوت ہیں۔ یہ ذخائر دو سو سال کی ضروریات پوری کرنے کے لیے کافی ہیں، جنہیں حکام تیل کی ملکی درآمدات میں کمی لانے کا ذریعہ قرار دے رہے ہیں۔

ہوائی توانائی

ہوا سے بجلی پیدا کرنے کی سترہویں عالمی کانفرنس کے دوران سندھ کے وزیر برائے توانائی کے وزیر نے اعلان کیا کہ صوبائی حکومت پبلک پرائیویٹ شراکت کے تحت اپنا گرڈ اسٹیشن قائم کرے گی۔ یہ گرڈ اسٹیشن ٹھٹھہ جھمپر کے علاقے میں قائم ہوائی توانائی پیدا کرنے کے واحد ملکی منصوبے سے بننے والی صاف بجلی کے لیے بنایا جانا ہے۔

انہوں نے مزید کہا کہ قابل تجدید ذرائع سے بجلی بنانے کے منصوبوں کے لیے سندھ حکومت نے ساٹھ ہزار ایکڑ زمین حاصل کر لی ہے، جس سے حکومت کے متبادل ذرائع سے توانائی حاصل کرنے کے عزم کا اظہار ہوتا ہے۔ ہوا سے بجلی پیدا کرنے کے 23 منصوبے گھارو جھمپر میں کام کر رہے ہیں، جب کہ 35 مزید منصوبے تکمیل کے مختلف مراحل میں ہیں۔

شمسی توانائی

اخباری اطلاعات کے مطابق پنجاب حکومت نے نومبر میں قائد اعظم سولر پاور منصوبے کا فورنزک آڈٹ کروانے کا فیصلہ کیا۔ یہ ملک میں تجارتی پیمانوں پر شمسی توانائی سے بجلی پیدا کرنے کا اپنی نوعیت کا واحد منصوبہ ہے۔ سابقہ حکومت کے دور میں لگائے جانے والے بجلی کے منصوبوں میں پائی جانے والی بے ضابطگیوں کے بارے

میں پنجاب کے وزیر برائے توانائی صوبائی کابینہ کو آگاہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اخباری اطلاعات کے مطابق پنجاب حکومت کے قریبی ذرائع اس سولر پاور منصوبے سے قومی خزانے کو بھاری نقصان پہنچنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ تجزیہ کار اس سولر پارک کی لاگت اور اس سے پیدا ہونے والی بجلی کی مقدار سے متعلق تحفظات کا اظہار کرتے رہے ہیں۔

اسی دوران سندھ حکومت کی جانب سے (سترہویں ورلڈ ونڈ انرجی کانفرنس کے موقع پر) دس کروڑ امریکی ڈالر سے شمسی توانائی سے بجلی پیدا کرنے کے ایسے ہی منصوبے کا اعلان کیا گیا۔ عالمی بنک کے تعاون سے شروع کیے جانے والے اس منصوبے کے تحت بجلی کی سہولت سے محروم دیہات کو بجلی فراہم کی جانی ہے۔

جائزہ

ماحولیاتی مسائل، پالیسی اور سرگرمیوں پر سرکاری اور نجی شعبے کی جانب سے بھرپور اقدامات خالی خولی دعووں تک ہی محدود ہیں، جن پر عملدرآمد نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس ضمن میں جوابدہی کا عمل نہ ہونے کے برابر ہے، جس کی وجوہ میں ماحولیاتی امور پر انتظامی تقسیم میں ابہام، سرکاری اہلکاروں میں ماحولیاتی پالیسیوں سے متعلق شعور کا فقدان اور صوبائی و قومی قوانین کی عملداری سے باہر وسیع علاقے شامل ہیں۔ سنگین علاقائی اور عالمی ماحولیاتی مسائل درپیش ہونے کے باوجود ماحولیات سے متعلق محکموں کا کام شجرکاری اور ڈیم فنڈ کی مثبت تشہیر تک محدود ہے۔ ان اداروں میں جو ایک دوسرے پر الزام تراشی یا مستقبل کے بہتر اقدامات کی نشاندہی کے ذریعے کام چلا رہے ہیں، پالیسیوں پر عملدرآمد اور جوابدہی کا فقدان اظہر من الشّمس ہے۔

سفارشات

☆ قومی آبی پالیسی کے اطلاق میں تیزی لائی جائے، اور ملک بھر میں اس پر عملدرآمد کے لیے مؤثر طریقہ کار وضع کیا جائے۔

☆ جنگلات کی قومی پالیسی کو قانون کی شکل دی جائے، صوبائی حکومتوں کی حوصلہ افزائی کی جائے تاکہ وہ ایسی ہی پالیسیاں اپنا کر ان پر عملدرآمد کریں۔

☆ ماحولیاتی مسائل سے متعلق جامع پالیسیوں کے فوری اور موثر نفاذ کے لیے موزوں بجٹ مہیا کیا جائے۔

ضمیمہ

عاصمہ جہانگیر
(27 جنوری 1952۔ 11 فروری 2018)
پیر، 5مارچ، 2018، اسلام آباد

ضمیمہ۔ا

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کی سرگرمیاں

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) نے بنیادی آزادیوں کے متعلق عوام میں شعور پھیلانے، انسانی حقوق کے تحفظ کے لیے ایڈووکیسی کرنے اور انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے تدارک کے لیے درکار اقدامات کے سلسلے میں پالیسی سازوں کے ساتھ لابنگ کرنے کے لیے 2018 کے دوران ملک بھر میں مختلف سرگرمیوں کا اہتمام کیا۔ احتجاجی مظاہروں، ریلیوں، مشاورتوں، مہمات، تربیتی ورکشاپوں، فیکٹ فائنڈنگ مشنوں، پریس ریلیزوں اور عوامی اجلاسوں سمیت ایکٹیوزم کے تمام پرامن ذرائع بروئے کار لائے گئے جن میں لوگوں کی صنف، مذہب، فرقے، نسل، سکونت، عمر یا سماجی رتبے سے بالاتر ہوکر ان کے حقوق کی حمایت اور تحفظ پر زور دیا گیا۔ ملک کے نظام انصاف کے ٹھکرائے ہوئے لوگوں کو مشاورت اور قانونی امداد فراہم کی گئی اور ان کی شکایات متعلقہ محکموں تک پہنچائی گئیں۔

ایچ آر سی پی نے عدالت عظمیٰ کے مذہبی اقلیتوں کے حقوق کے بارے میں تاریخ ساز فیصلے' جسے تصدق جیلانی فیصلہ بھی کہا جاتا ہے، کے نفاذ کے لیے اپنی جدوجہد جاری رکھی۔ ایچ آر سی پی نے اقلیتوں کے حقوق پر کام کرنے والے کارکنوں کے ساتھ مل کر فیصلے کے نفاذ کے لیے جنوری 2018ء میں عدالت عظمیٰ میں پٹیشن دائر کی۔ اس معاملے کا نوٹس لیتے ہوئے عدالت عظمیٰ نے یک رکنی کمیشن تشکیل دیا جسے فیصلے کے نفاذ کے لیے ہدایات جاری کرنے کا اختیار حاصل ہے۔

انسانی حقوق کے کئی موضوعات پر ملک بھر میں سیمینارز، فوکس گروپ مباحث اور تربیتی ورکشاپس منعقد کی گئیں۔ مختلف کمیونٹیوں کو انسانی حقوق کے متعدد معاملات پر جدوجہد میں شریک کرنے کے لیے مشاورتی تقاریب کا اہتمام بھی کیا گیا۔ انسانی حقوق کے عمومی موضوعات کے علاوہ، اس برس کے موضوعات میں سندھ میں پانی بھرنے والی عورتوں کے حقوق اور قبائلی علاقہ جات جو پہلے وفاق کے زیر انتظام تھے (سابق فاٹا) کو خیبر پختونخوا کے مرکزی دھارے میں لانے کے لیے اقدامات بھی شامل تھے۔ انسانی حقوق کے محافظین (ایچ آر ڈیز) کے لیے ڈیجیٹل سکیورٹی ورکشاپس منعقد کی گئیں۔ ان ورکشاپسوں میں ایچ آر ڈیز کو بتایا گیا کہ وہ اپنے آن لائن کام اور فیلڈ میں موجودگی کے دوران اپنے تحفظ کو کس طرح بہتر کر سکتے ہیں۔

ایچ آر سی پی کے مرکزی دفتر اور صوبائی دفاتر و ٹاسک فورس دفاتر میں بیک وقت مہمات اور ریلیوں کا

اہتمام کیا گیا۔ ان کا مقصد ریاست کو اس کے وعدوں کی یاددہانی کرانا تھا جو اس نے انسانی حقوق کے عالمی معاہدوں کے سلسلے میں کر رکھے ہیں۔ ایچ آر سی پی نے صنفی تشدد کے خلاف فعالیت کے 16 دنوں کے دوران ایک ملک گیر مہم چلائی۔

ایچ آر سی پی نے لاہور میں ایک مسیحی لڑکے (ساجد مسیح) پر ریاستی حکام کے مبینہ تشدد اور سیالکوٹ میں جماعت احمدیہ کی عبادت گاہ کی بے حرمتی سمیت انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزیوں پر کئی فیکٹ فائنڈنگ مشن روانہ کیے۔ ایچ آر سی پی کے فیکٹ فائنڈنگ مشن نے گلگت۔ بلتستان کا دورہ بھی کیا تاکہ وہاں انسانی حقوق کی موجودہ صورتحال کا جائزہ لیا جا سکے۔ صحافیوں اور ذرائع ابلاغ کے اداروں کی شکایات پر ایچ آر سی پی نے ملک بھر میں اظہار رائے کی آزادی پر بڑھتی ہوئی پابندیوں اور ان کی نوعیت جاننے کے لیے ایک فیکٹ فائنڈنگ کی۔ اس کے علاوہ، ایچ آر سی پی کی فیکٹ فائنڈنگ ٹیموں نے کراچی میں جبری گمشدگی، خاص طور پر شیعہ برادری کے لوگوں کی جبری گمشدگیوں کے واقعات کی تحقیقات کیں۔

2018 میں کی گئی اہم سرگرمیاں

ورکشاپس/سیمینار/اجلاس/پریس کانفرنسیں

☆ 3 جنوری، کراچی: سندھ میں جبری گمشدہ افراد کی حمایت میں احتجاج کی منصوبہ بندی کے لیے جوائنٹ ایکشن فورم کے ساتھ ملاقات۔

☆ 5 جنوری، حیدرآباد: گنے کے چھوٹے کاشتکاروں اور کسانوں کے ساتھ ملاقات۔ ملاقات کا مقصد محنت کشوں کے حقوق کی حمایت کا اظہار کرنا تھا۔

☆ 8 جنوری، حیدرآباد: حیدرآباد پریس کلب میں سندھ یوم تعلیم منایا گیا۔

☆ 10 جنوری، حیدرآباد: انسانی حقوق کا شعور پھیلانے میں ادیبوں اور فنکاروں کے کردار پر گفتگو کرنے کے لیے انجمن ترقی پسند مصنفین کے ایک وفد کے ساتھ ملاقات۔

☆ 12 جنوری، کراچی: ماہر تعلیم حسن ظفر عارف کے مبینہ قتل کی مذمت کے لیے این جی اوز کے ساتھ ایک مشترکہ اجلاس۔

☆ 16 جنوری، کراچی: سندھ میں جبری گمشدگیوں کے معاملے پر سول سوسائٹی کے اداروں کے ساتھ ایک اجلاس۔

☆ 19-21 جنوری، کراچی: نقل و حرکت کی آزادی پر کے۔ بی ابڑو کے 100۔ پوسٹرز کی نمائش ٹی 2 ایف کے ہمراہ منعقد کی گئی۔

☆ 24 جنوری، کراچی: نقیب اللہ محسود کے مبینہ ماورائے عدالت قتل پر محسود قبیلے کے لوگوں کے ساتھ ملاقات۔

☆ 26 جنوری، کراچی: 1971 کی طلبہ یونینوں کے موضوع پر ڈی ایس ایف کے ساتھ ایک مشترکہ ورکشاپ کا انعقاد۔

☆ 8 فروری، حیدرآباد: حالیہ جعلی 'پولیس مقابلوں کے موضوع پر اجلاس۔

☆ 12 فروری، حیدرآباد، کراچی: محترمہ عاصمہ جہانگیر کو خراج تحسین پیش کرنے کے لیے ایک اجلاس۔

☆ 13 فروری، حیدرآباد: عاصمہ جہانگیر کی یاد میں اجتماع، شمعیں روشن کی گئیں اور مشاعرے کا اہتمام ہوا۔

☆ 14 فروری، پشاور: کے پی میں جبری مشقت پر مشاورت۔

☆ 16 فروری، کراچی: حال ہی بھرتی ہونے والی خواتین پولیس افسران کے لیے انسانی حقوق کے عالمی اعلامیے (یوڈی ایچ آر) پر ورکشاپ

☆ 19 فروری، حیدرآباد: حیدرآباد یونین آف جرنلسٹس کے تعاون سے عاصمہ جہانگیر تعزیتی ریفرنس۔

☆ 26 فروری، کوئٹہ: کوئٹہ پریس کلب میں عاصمہ جہانگیر کے لیے ریفرنس۔

☆ یکم مارچ، حیدرآباد: سندھ میں گروی مشقت کے خاتمے پر مشاورت۔

☆ 5 مارچ، اسلام آباد: ڈی اے آئی کے ساتھ مل کر عاصمہ جہانگیر کی یاد میں ریفرنس۔

☆ 5 مارچ، پشاور: ڈی اے آئی کے ساتھ مل کر عاصمہ جہانگیر کی یاد میں ریفرنس۔

☆ 8 مارچ، کراچی: 'عورت مارچ' (دیگر سی ایس اوز کے ساتھ مل کر) اور عورتوں کا کرکٹ میچ۔

☆ 11 مارچ، کراچی: عاصمہ جہانگیر کی زندگی اور کارہائے نمایاں کی یاد میں گفتگو۔

☆ 19 مارچ، اسلام آباد: کلکتہ سے تعلق رکھنے والے امن کے کارکن، مصنف اور صحافی او۔پی۔شاہ سے سول سوسائٹی کے اراکین کی ملاقات

☆ 21 مارچ، کراچی: شعبہ ماس کمیونیکیشن، جامعہ کراچی کے طالب علموں کے لیے یوڈی ایچ آر پر ایک آگہی نشست رکھی گئی۔

☆ 26 مارچ کراچی پرل کانٹیننٹل ہوٹل ورکرز یونین کے ساتھ ملاقات۔

☆ 6 اپریل، لاہور: ایچ آرسی پی کونسل میٹنگ۔

☆ 7 اپریل، لاہور: ایچ آرسی پی کا بتیسواں سالانہ عمومی اجلاس۔

☆ 8-7 اپریل لاہور: عاصمہ جہانگیر کنونشن۔

☆ 16 اپریل، لاہور: سیاسی جماعتوں کے دساتیر اور مذہبی جماعتوں کے حقوق پر مشاورت۔

☆ 16 اپریل، اسلام آباد: 2017 میں انسانی حقوق کی صورتحال کی تقریب رونمائی۔

☆ 20 اپریل، کوئٹہ: انسانی حقوق کی تعلیم کے فروغ اور انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی رپورٹنگ پر صحافیوں کی تربیتی ورکشاپ۔

☆ 28اپریل، کراچی: گھروں میں رہ کر کام کرنے والے مزدوروں کے ساتھ ملاقات۔

☆ 28اپریل، کراچی: جبری گمشدگیوں پر سی ایس اوز کے ساتھ اجلاس۔

☆ 30اپریل، اسلام آباد: سیاسی جماعتوں کے منشور میں بنیادی انسانی حقوق کی شمولیت کے جائزے کے لیے مشاورت۔

☆ 5مئی، کراچی: بنگلہ دیشی برادری کے ساتھ مشاورتی اجلاس۔

☆ 7مئی، حیدرآباد: عاصمہ جہانگیر سے متعلق سندھی، انگریزی اور اردو مضامین کے مجموعے" ہماری عاصمہ جہانگیر" کی تقریب رونمائی۔ کتاب کے مدیر ذوالفقار ہالیپوٹو ہیں۔

☆ 8مئی، کوئٹہ: عورتوں کے حقوق اور صنفی مساوات پر مشاورت۔

☆ 9مئی، کوئٹہ: مقامی حکومت میں مذہبی اقلیتوں اور عورتوں کی نمائندگی پر مشاورت۔

☆ 10مئی، کوئٹہ: گورنمنٹ گرلز ڈگری کالج کوئٹہ کی طالبات کو یوڈی ایچ آر کے موضوع پر بنی فلم دکھائی گئی۔

☆ 15مئی، اسلام آباد: مہاجر عورتوں اور سابق فاٹا، کے پی اور گلگت۔ بلتستان کی خواتین آئی ڈی پیز پر تشدد کی نوعیت پر مشاورت۔

☆ 18مئی، حیدرآباد: انسانی حقوق کے کارکن پنہل ساریو پر مبینہ قاتلانہ حملے کی تحقیقات میں تاخیر کی مذمت کے لیے اجلاس۔

☆ 23مئی، حیدرآباد: انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں اور جبری گمشدگیوں کے واقعات کا جائزہ لینے کے لیے انسانی حقوق کی رابطہ کمیٹی کا اجلاس۔ یہ کمیٹی سی ایس اوز اور طالب علموں پر مشتمل ہے۔

☆ 26مئی، پشاور: اقلیتوں کے حقوق پر مشاورت: مشاورت کا مقصد فرقہ وارانہ ہلاکتوں کے تدارک کے لیے سوچ بچار کرنا تھا۔

☆ 26مئی، کوئٹہ: کوئٹہ پریس کلب میں 2017 میں انسانی حقوق کی صورت حال کی رپورٹ کا اجراء۔

☆ 26مئی، حیدرآباد: عالمی ماحولیاتی دن کی مناسبت سے تلف پذیر پلاسٹک مصنوعات پر آگاہی کے لیے ایک نشست رکھی گئی۔

☆ 06جون، کراچی: شعبہ سوشل ورک، وفاقی اردو یونیورسٹی کے طالب علموں کے ساتھ یوڈی ایچ آر پر ایک آگاہی نشست۔

☆ 08جون، کراچی: بچوں کے حقوق اور بے گھر بچوں کے موضوع پر لیکچر۔

☆ 08جون، اسلام آباد: فاٹا کے خیبر پختونخوا میں انضمام کے بارے میں منظور شدہ قانون کا انسانی حقوق کے تناظر سے جائزہ لینے کے لیے مشاورت۔

☆ 12جون، کراچی: بین العقائد ہم آہنگی کے موضوع پر دوسری غیرسرکاری تنظیموں کے ہمراہ ایک مشترکہ اجلاس کا

اہتمام کیا گیا۔ اجلاس کا مقصد مذہبی اقلیتوں پر تشدد میں اچانک اضافے پر تحفظات کا تبادلہ کرنا تھا۔

☆ 13 جون، اسلام آباد: آسٹریلوی ہائی کمیشن کے ایک وفد کو گلگت ۔ بلتستان میں انسانی حقوق کی صورتحال سے آگاہ کیا گیا۔

☆ 14 جون، حیدرآباد: جبری گمشدہ افراد کی بازیابی پر مختلف سی بی اوز کے ہمراہ گفتگو کا اہتمام کیا گیا۔

☆ 21 جون، کراچی: یوڈی ایچ آر اور بی بی سی کی دستاویزی فلم پاکستان کے کمسن ملازم دکھائی گئی۔

☆ 23 جون، ملتان: مقامی حکومت میں عورتوں اور اقلیتوں کے کردار پر سیمینار منعقد کیا گیا۔

☆ 26 جون، حیدرآباد: ایذا رسانی کے متاثرین کی حمایت میں عالمی دن کی مناسبت سے زیرحراست ایذا رسانی اور 'جعلی' مقابلوں پر ایک نشست۔

☆ یکم جولائی، کراچی: صنفی مساوات پر ورکشاپ

☆ 4 جولائی، اسلام آباد: انسانی حقوق کی صورتحال اور آئندہ عام انتخابات پر گفتگو کے لیے ای یو آبزرویشن مانیٹرنگ مشن کے ساتھ ملاقات۔

☆ 6 جولائی، کراچی: بی بی سی کی دستاویزی فلم پاکستان کے کمسن ملازم لیاری میں دکھائی گئی۔

☆ 9 جولائی، اسلام آباد: اسلام آباد اور راولپنڈی سے ایچ آر سی پی کے انتخابی مشاہدہ کاروں کی تربیتی ورکشاپ۔

☆ 10 جون، لاہور: پنجاب بھر سے انسانی حقوق کے دفاع کاروں کا کنونشن۔

☆ 11 جولائی، لاہور: پنجاب میں ایچ آر سی پی کے انتخابی مشاہدہ کاروں کی تربیتی ورکشاپ۔

☆ 12 جولائی، پشاور: کے پی کے ایچ آر سی پی کے انتخابی مشاہدہ کاروں کی تربیتی ورکشاپ۔

☆ 14 جولائی، کوئٹہ: بلوچستان سے ایچ آر سی پی کے انتخابی مشاہدہ کاروں کی تربیتی ورکشاپ۔

☆ 14 جولائی، حیدرآباد: جنوبی پنجاب کے ایچ آر سی پی کے انتخابی مشاہدہ کاروں کی تربیتی ورکشاپ۔

☆ 16 جولائی، کراچی: کراچی سے ایچ آر سی پی کے انتخابی مشاہدہ کاروں کی تربیتی ورکشاپ۔

☆ 16 جولائی، اسلام آباد: سیکرٹری الیکشن کمیشن سے ایچ آر سی پی کے سینئر عہدیداروں کی ملاقات۔ ملاقات کا مقصد سیکرٹری الیکشن کمیشن کو آنے والے دنوں میں منعقد ہونے والے عام انتخابات کے حوالے سے ایچ آر سی پی کے خدشات سے آگاہ کرنا تھا۔

☆ 16 جولائی، اسلام آباد: انتخابی عمل پر اثر انداز ہونے کے الزامات پر پریس کانفرنس۔

☆ 17 جولائی، سکھر: شمالی سندھ سے ایچ آر سی پی کے انتخابی مشاہدہ کاروں کی تربیتی ورکشاپ۔

☆ 22 جولائی، گلگت: نوجوانوں کی ایک تنظیم چیکورشت کے تعاون سے گلگت ۔ بلتستان کے نوجوانوں کے ساتھ سماجی معاملات پر ایک تربیتی نشست جس میں کئی سماجی معاملات کو انسانی حقوق کے نقطہ نظر سے دیکھا گیا۔

☆ 27 جولائی، لاہور: اظہار رائے پر پابندیوں کے موضوع پر کی جانے والی فیکٹ فائنڈنگ رپورٹ کی لاہور

پریس کلب میں تقریب رونمائی۔

☆ 19 جولائی، لاہور: آئندہ انتخابات کے حوالے سے تبادلہ خیال کرنے کے لیے ای یو کے مشاہدہ کاروں کے ساتھ ملاقات کی گئی۔

☆ 23 جولائی، کراچی: قبل از انتخابات سرگرمیوں اور مشاہدات پر سوچ بچار کرنے کے لیے سول سوسائٹی کی تنظیموں کے ساتھ ملاقات کا اہتمام کیا گیا۔

☆ 23 جولائی، کراچی: سول سوسائٹی کی تنظیموں کے ساتھ اجلاس جس میں آئندہ انتخابات کے آئینی طریقہ کار پر گفتگو ہوئی۔

☆ 24 جولائی، اسلام آباد: بائٹس فار آل اور امن وانصاف نیٹ ورک کے ساتھ ایک مشترکہ پریس کانفرنس کا انعقاد۔ انتخابات والے دن موبائل فون اور انٹرنیٹ سروسز بند ہونے کی اطلاعات پر پریس کانفرنس کا اہتمام کیا گیا۔

☆ 2 جولائی، کراچی: پاکستان میں سی ایس اوز اور صحافیوں کے لیے پیدا کی جانے والی تنگی پر تبادلہ خیال کے لیے ایک اجلاس۔

☆ یکم اگست، ملتان: جنوبی پنجاب میں انسانی حقوق کے معاملات اور انسانی حقوق کے کارکنوں اور سول سوسائٹی کے کردار پر ایک مکالمہ۔

☆ 3 اگست، حیدر آباد: انتخابات سے پہلے اور انتخابات کے بعد انتخابی مشاہدات پر گفتگو۔

☆ 4 اگست، کراچی: صحافت کی آزادی اور اظہار کی آزادی پر گفتگو کے لیے ذرائع ابلاغ کے لوگوں کے ساتھ ایک اجلاس۔

☆ 11 اگست، کراچی: ایچ آر سی پی سے تعلق رکھنے والے اراکین نے انسانی حقوق کی موجودہ صورتحال کا جائزہ لینے کے لیے اجلاس منعقد کیا۔

☆ 12 اگست، حیدر آباد: بین المسالک ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے فورم برائے اقلیتی حقوق کے ساتھ ایک مشترکہ اجلاس۔

☆ 17 اگست، کراچی: مرکزی سیاست میں عورتوں کی شمولیت پر سیمینار۔

☆ 29 اگست، اسلام آباد: فیکٹ فائنڈنگ رپورٹ اظہار رائے کی آزادی پر پابندیوں کا اجراء اور پریس کانفرنس۔

☆ 30 اگست، کوئٹہ: جبری گمشدگیوں کے متاثرین کے ساتھ اظہار یکجہتی کے عالمی دن پر کوئٹہ پریس کلب میں پریس کانفرنس۔

☆ 4 ستمبر، گلگت: ایڈووکیسی فورم کے ساتھ ایک مشاورتی اجلاس۔ اجلاس کا مقصد مقامی کمیونٹیوں کو صنفی امتیاز پر

آگاہی دینے کے لیے منصوبہ بندی کرنا تھا۔

☆ 10 ستمبر، اسلام آباد: امریکی سفارت کاروں کی پاکستان میں انسانی حقوق کی صورتحال کے متعلق بریفنگ۔

☆ 22 ستمبر، اسلام آباد: اسلام آباد اور شمالی پنجاب سے تعلق رکھنے والے انسانی حقوق کے محافظین کے لیے ڈیجیٹل سکیورٹی کی تربیتی ورکشاپ

☆ 25 ستمبر، اسلام آباد: ایچ آر سی پی کے قائم کردہ قومی بین العقائد ورکنگ گروپ کا اجلاس۔

☆ 9 اکتوبر، ملتان: جنوبی پنجاب سے تعلق رکھنے والے انسانی حقوق کے محافظین کے لیے ڈیجیٹل سکیورٹی کی تربیتی ورکشاپ۔

☆ 10 اکتوبر، کوئٹہ: سزائے موت کے خلاف عالمی دن پر مشاورت۔

☆ 10 اکتوبر، گلگت: سزائے موت کے خلاف عالمی دن پر مشاورت۔

☆ 10 اکتوبر، لاہور: سزائے موت کے قیدیوں کی حالت زار پر سیمینار۔

☆ 17 اکتوبر، لاہور: ایچ آر سی پی کے چیئرپرسن اور سوئٹزرلینڈ کے سفیر نے ایک ملاقات کے دوران انسانی حقوق کی موجودہ صورتحال کا جائزہ لیا۔

☆ 17 اکتوبر، کوئٹہ: بلوچستان سے تعلق رکھنے والے انسانی حقوق کے محافظین کے لیے ڈیجیٹل سکیورٹی کی تربیتی ورکشاپ۔

☆ 18 اکتوبر، کوئٹہ: بلوچستان میں محنت کشوں کے حقوق پر مشاورت۔

☆ 22 اکتوبر، حیدرآباد: سندھ میں مذہب کی جبری تبدیلی کے واقعات پر مشاورت۔

☆ 23 اکتوبر، کراچی: سندھ میں نسلی اقلیتوں کی حالت پر مشاورت۔ ان میں افغان، برمی، بنگالی اور کشمیری برادریاں شامل تھیں۔

☆ 22 تا 24 اکتوبر، اسلام آباد: ٹرسٹ برائے مساوی حقوق کے نمائندوں کے لیے اجلاسوں کا اہتمام کیا گیا جن کا مقصد پاکستان میں امتیازی سلوک کی شکلوں کی نشاندہی کرنا تھا۔

☆ 24 اکتوبر، کراچی: مقامی حکومت میں عورتوں اور مذہبی اقلیتوں کی نمائندگی پر مشاورت۔

☆ 23 اکتوبر، کراچی: سندھ میں نسلی اقلیتوں کی حالت پر مشاورت۔

☆ 5 نومبر، لاہور: لاہور سے تعلق رکھنے والے انسانی حقوق کے محافظین کے لیے ڈیجیٹل سکیورٹی کی تربیتی ورکشاپ۔

☆ 6 نومبر، لاہور: وسطی پنجاب سے تعلق رکھنے والے انسانی حقوق کے محافظین کے لیے ڈیجیٹل سکیورٹی کی تربیتی ورکشاپ۔

☆ 11 نومبر، ملتان: جنوبی پنجاب میں "عزت" کے نام پر جرائم کی شکلوں پر مشاورت۔

- ☆ 15 نومبر، اسلام آباد: عورتوں کے حقوق کو مرکزی دھارے میں لانے کے تناظر میں مغربی کے پی میں انسانی حقوق کی صورتحال پر مشاورت۔
- ☆ 15 نومبر، اسلام آباد: مغربی کے پی میں فیصلہ سازی کے اختیار میں عورتوں کی شمولیت پر ورکشاپ۔
- ☆ 5 7 نومبر، حیدرآباد: سندھ میں پانی بھرنے والی عورتوں پر پانی کی قلت کے اثرات کے حوالے سے مشاورت۔
- ☆ 6 نومبر، سکھر: اندرون سندھ سے تعلق رکھنے والے انسانی حقوق کے محافظین کے لیے ڈیجیٹل سکیورٹی کی تربیتی ورکشاپ۔
- ☆ 20 نومبر، کوئٹہ: سکولوں میں بچوں کے ساتھ جنسی زیادتی کی آگہی اور روک تھام کے لیے سیمینار۔
- ☆ 20 نومبر، کراچی: بچوں کے حقوق کے عالمی دن پر بچوں، اساتذہ اور انسانی حقوق کے محافظین کے ساتھ ایک مشاورت جس میں سکولوں میں بچوں کے ساتھ بدسلوکی کا جائزہ لیا گیا۔
- ☆ 20 نومبر، لاہور: بچوں کے حقوق کے عالمی دن پر بچوں کے حقوق کے حوالے سے مشاورت۔
- ☆ 20 نومبر، گلگت: سکولوں میں بچوں کے ساتھ جنسی زیادتی کی آگہی اور روک تھام کے لیے سیمینار۔
- ☆ 20 نومبر، حیدرآباد: سکولوں میں بچوں کے ساتھ جنسی زیادتی کی آگہی اور روک تھام کے لیے سیمینار۔
- ☆ 20 نومبر، پشاور: سکولوں میں بچوں کے ساتھ جنسی زیادتی کی آگہی اور روک تھام کے لیے سیمینار۔
- ☆ 20 نومبر، اسلام آباد: سکولوں میں بچوں کے ساتھ جنسی زیادتی کی آگہی اور روک تھام کے لیے سیمینار۔
- ☆ 20 نومبر، کوئٹہ: سکولوں میں بچوں کے ساتھ جنسی زیادتی کی آگہی اور روک تھام کے لیے سیمینار۔
- ☆ 20 نومبر، اسلام آباد: جرمن ادارے ایف این ایف کی 60 ویں سالگرہ کے موقعے پر ایک سٹال لگایا گیا جس میں ساتھی تنظیم کے طور پر اپنے کام کی نمائش کی گئی۔
- ☆ 20 نومبر، ملتان: سکولوں میں بچوں کے ساتھ جنسی زیادتی کی آگہی اور روک تھام کے لیے سیمینار۔
- ☆ 6 نومبر، پشاور: کے پی کے سے تعلق رکھنے والے انسانی حقوق کے محافظین کے لیے ڈیجیٹل سکیورٹی کی تربیتی ورکشاپ۔
- ☆ 26 نومبر، کراچی: پاکستان خاص طور پر سندھ میں بڑے ڈیموں کے اثرات پر مشاورت۔
- ☆ 01 دسمبر، کراچی: اربن ریسورس سنٹر اور پائلر کے ساتھ ایک اجلاس جس میں کراچی کی ایمپریس مارکیٹ میں ناجائز تجاوزات کے خلاف مہم پر گفتگو کی گئی۔
- ☆ یکم دسمبر، لاہور: فعالیت کے سولہ دن کی تحریک کے دوران ایچ آر سی پی کا صنفی تشدد پر سیمینار۔
- ☆ 3 تا 4 دسمبر، لاہور: جمہوری معاشروں کے لیے امن کی تعلیم پر ورکشاپ۔
- ☆ 06 دسمبر، پشاور: صنفی تشدد کے خاتمے پر ورکشاپ۔

- ☆ 07 دسمبر، اسلام آباد: صنفی تشدد پر ویڈیو سکریننگ اور گفتگو۔
- ☆ 07 دسمبر، کوئٹہ: صنفی تشدد پر ویڈیو سکریننگ اور گفتگو۔
- ☆ 07 دسمبر، ملتان: صنفی تشدد پر ویڈیو سکریننگ اور گفتگو۔
- ☆ 07 دسمبر، کراچی: صنفی تشدد پر ویڈیو سکریننگ اور گفتگو۔
- ☆ 08 دسمبر، کراچی: فعالیت کے سولہ دن کی تحریک کے دوران عورتوں کے حقوق کے حوالے سے مختلف سی ایس اوز کے ہمراہ مشترکہ پریس کانفرنس۔
- ☆ 10 دسمبر، لاہور: یوڈی ایچ آر کی 70 ویں سالگرہ پر ایچ آر سی پی کے اعزازی ترجمان آئی اے رحمان کا پبلک لیکچر جس میں عالمگیر سلسلہ وار جائزے 2017 کی روشنی میں پاکستان میں انسانی حقوق کی صورتحال کا جائزہ لیا گیا۔
- ☆ 10 دسمبر، حیدرآباد: یوڈی ایچ آر کی 70 ویں سالگرہ پر پریس کلب حیدرآباد میں سیمینار کا انعقاد۔
- ☆ 11 دسمبر، کوئٹہ: یوڈی ایچ آر کی 70 ویں سالگرہ پر پاکستان میں انسانی حقوق کی صورتحال پر آئی اے رحمان لیکچر کی سکریننگ کی گئی۔
- ☆ 11 دسمبر، کراچی: ایمپریس مارکیٹ میں تجاوزات مخالف مہم سے متاثر ہونے والے چھوٹے دکانداروں کے ساتھ ملاقات۔
- ☆ 12 دسمبر، گلگت: صنفی تشدد کے خاتمے پر آگہی نشست۔
- ☆ 12 دسمبر، حیدرآباد:: جنوبی سندھ سے تعلق رکھنے والے انسانی حقوق کے محافظین کے لیے ڈیجیٹل سکیورٹی کی تربیتی ورکشاپ۔
- ☆ 13 دسمبر، حیدرآباد: فعالیت کے سولہ دن کی تحریک کے دوران ایچ آر سی پی کا صنفی تشدد کے موضوع پر سیمینار۔
- ☆ 13 دسمبر، کراچی: کراچی سے تعلق رکھنے والے انسانی حقوق کے محافظین کے لیے ڈیجیٹل سکیورٹی کی تربیتی ورکشاپ۔
- ☆ 14 دسمبر، پشاور: یوڈی ایچ آر کی 70 ویں سالگرہ پر پاکستان میں انسانی حقوق کی صورتحال پر آئی اے رحمان لیکچر کی سکریننگ۔
- ☆ 16 دسمبر، لاہور: مختلف انداز میں صلاحیتوں کے حامل افراد کے حقوق پر مشاورت۔
- ☆ 19 دسمبر، حیدرآباد: مختلف انداز میں صلاحیتوں کے حامل افراد کے حقوق پر مشاورت۔
- ☆ 19 دسمبر، پشاور: مختلف انداز میں صلاحیتوں کے حامل افراد کے حقوق پر مشاورت۔
- ☆ 21 دسمبر، اسلام آباد: یوڈی ایچ آر کی 70 ویں سالگرہ پر پاکستان میں انسانی حقوق کی صورتحال پر آئی اے رحمان لیکچر کی سکریننگ۔

☆ 21 دسمبر، کراچی: یوڈی ایچ آر کی 70 ویں سالگرہ پر پاکستان میں انسانی حقوق کی صورتحال پر آئی اے رحمان لیکچر کی سکریننگ۔

☆ 23 دسمبر، گلگت: یوڈی ایچ آر کی 70 ویں سالگرہ پر پاکستان میں انسانی حقوق کی صورتحال پر آئی اے رحمان لیکچر کی سکریننگ۔

☆ 25 دسمبر، گلگت: مختلف انداز میں صلاحیتوں کے حامل افراد کے حقوق پر مشاورت۔

☆ 25 دسمبر، ملتان: مختلف انداز میں صلاحیتوں کے حامل افراد کے حقوق پر مشاورت۔

☆ 27 دسمبر، کوئٹہ: مختلف انداز میں صلاحیتوں کے حامل افراد کے حقوق پر مشاورت

☆ 28 دسمبر، کراچی: لیڈی ہیلتھ ورکرز کے لیے جنسی ہراسانی کے موضوع پر ایک آگہی نشست۔

☆ 28 دسمبر، اسلام آباد: گلگت بلتستان سے تعلق رکھنے والے انسانی حقوق کے محافظین کے لیے ڈیجیٹل سکیورٹی کی تربیتی ورکشاپ۔

☆ 29 دسمبر، لاہور: ایچ آر سی پی کے لاہور، اسلام آباد اور گلگت دفاتر کے سٹاف کے لیے ڈیجیٹل سکیورٹی کی تربیتی ورکشاپ۔

☆ 30 دسمبر، حیدرآباد: یوڈی ایچ آر کی 70 ویں سالگرہ پر پاکستان میں انسانی حقوق کی صورتحال پر آئی اے رحمان لیکچر کی سکریننگ۔

تمام صوبائی دفاتر نے اپنے علاقوں میں انسانی حقوق کی صورتحال اور حالات حاضرہ کا جائزہ لینے کے لیے ہر ماہ باقاعدگی کے ساتھ اجلاس منعقد کیے۔

فیکٹ فائنڈنگ مشن

☆ 12 جنوری، حیدرآباد: ایک فیکٹ فائنڈنگ ٹیم نے تھرپارکر کے علاقے مٹھی کا دورہ کیا۔ دورے کا مقصد وہاں 5 جنوری 2018 کو دو ہندو تاجروں کے ہونے والے قتل کی تحقیقات کرنا تھا۔

☆ 13 جنوری، کراچی: ایک فیکٹ فائنڈنگ ٹیم نے رضویہ سوسائٹی کا دورہ کیا جہاں وہ شیعہ برادری سے لاپتہ ہونے والے افراد کے خاندانوں سے ملی۔

☆ یکم تا 3 فروری، لاہور: ایک فیکٹ فائنڈنگ ٹیم نے پنجاب یونیورسٹی اور مقامی پولیس سٹیشن کا دورہ کیا جس کا مقصد دو طلباء گروپوں کے درمیان ہونے والے جھگڑے اور اس کے نتیجے میں بلوچ اور پشتون طالب علموں پر ہونے والے کریک ڈاؤن کی تحقیقات کرنا تھا۔

☆ 5 فروری، کراچی: ایک فیکٹ فائنڈنگ ٹیم نے سندھ میں جبری گمشدگیوں کے متاثرین کے ساتھ اظہار یکجہتی کے لیے صفورا کے علاقے شرگوٹھ کا دورہ کیا۔

☆ 28 فروری، لاہور: ایک فیکٹ فائنڈنگ ٹیم نے گاؤں ڈھیر اور شاہدرہ پولیس سٹیشن کا دورہ کیا۔۔ ایک مسیح

نوجوان پر توہین رسالت کے الزامات کے بعد مسیحی برادری کے خلاف پر تشدد مظاہرے ہوئے تھے۔ فیکٹ فائنڈنگ ٹیم نے اس صورتحال کی تحقیقات کی۔

☆ 24 مارچ، کراچی: ایک فیکٹ فائنڈنگ ٹیم پولیس مقابلے میں تین افراد کے مبینہ طور پر ماورائے عدالت قتل کے حوالے سے معلومات لینے کے لیے لیاری گئی۔

☆ 28 مئی، خضدار: ایک فیکٹ فائنڈنگ ٹیم نے ایک فارم کا دورہ کیا جہاں ایک زمیندار 38 افراد سے مبینہ طور پر جبری مشقت کروا رہا تھا۔

☆ 31 مئی، کراچی: ایک فیکٹ فائنڈنگ ٹیم نے یوحنا آباد مسیحی کالونی کا دورہ کیا۔ دورے کا مقصد مسیحی برادری کے 24 لڑکوں کے مبینہ اغوا کی تحقیقات کرنا تھا۔

☆ 5 جون، سیالکوٹ: ایک فیکٹ فائنڈنگ ٹیم نے سیالکوٹ میں جماعت احمدیہ کی عبادت گاہ کی بے حرمتی کے واقعے کی تحقیقات کی۔

☆ 10 سے 18 جولائی، اسلام آباد، لاہور، کراچی: فیکٹ فائنڈنگ ٹیم سینئر صحافیوں سے ملی تاکہ پرنٹ والیکٹرانک میڈیا میں اظہار کی آزادی پر حالیہ کریک ڈاؤن کا جائزہ لیا جا سکے۔

☆ 6 اگست، کراچی: ایک فیکٹ فائنڈنگ ٹیم نے مذہبی اقلیتوں سے متعلق رکھنے والے افراد کے خلاف مقدمات کی تحقیقات کیں۔

☆ 5 تا 9 اگست، گلگت: ایک اعلیٰ سطحی فیکٹ فائنڈنگ ٹیم نے گلگت بلتستان میں انسانی حقوق کی صورتحال کا جائزہ لینے کے لیے وہاں کا دورہ کیا۔

☆ 5 ستمبر، حیدرآباد: ایک فیکٹ فائنڈگ ٹیم نے ایک مسیحی خاکروب کی ہلاکت کے واقعے کی تحقیقات کی جو دم گھٹنے سے ہلاک ہو گیا تھا۔

☆ 11 ستمبر، حیدرآباد: ایک فیکٹ فائنڈنگ ٹیم نے شہید بے نظیر آباد کا دورہ کیا۔ دورے کا مقصد یونیورسٹی ٹیچر کی طرف سے ایک طالبہ کو جنسی ہراسانی کا نشانہ بنائے جانے کی اطلاعات کی تحقیقات کرنا تھا۔

☆ 28 ستمبر، حیدرآباد: فیکٹ فائنڈنگ ٹیم نے لطیف آباد میں سات سالہ بچے کے قتل کی تحقیقات کیں۔

☆ 19 تا 24 نومبر، لاہور، اسلام آباد: پاکستان میں سزائے موت کے قیدیوں کی حالت زار کا جائزہ لینے کے لیے عالمی وفاق برائے انسانی حقوق (ایف آئی ڈی ایچ) کے ساتھ مل کر ایک مشترکہ فیکٹ فائنڈنگ کی گئی۔

☆ 7 دسمبر، کراچی: ایک فیکٹ فائنڈنگ ٹیم ایمپریس مارکیٹ گئی اور وہاں تجاوزات مخالف مہم کے نتیجے میں ہونے والی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے حوالے سے معلومات اکٹھا کیں۔

احتجاجی مظاہرے/ ریلیاں/ دورے

☆ 11 جنوری، اسلام آباد: جبری گمشدگیوں کے خاتمے کے لیے نیشنل پریس کلب کے سامنے احتجاج۔

☆ 11 جنوری، کراچی: قصور میں چھ سالہ زینب کے ریپ اور قتل کے خلاف احتجاج۔

☆ 12 جنوری، اسلام آباد: قصور میں چھ سالہ زینب کے ریپ اور قتل کے خلاف احتجاج۔

☆ 12 جنوری، کراچی: بلوچ صحافیوں کی اظہار کی آزادی کے حق میں کراچی پریس کلب کے سامنے احتجاج۔

☆ 13 جنوری، کراچی: شیعہ برادری کے اٹھائے گئے لوگوں کے ساتھ اظہار یکجہتی کے لیے رضویہ امام بارگاہ کے سامنے احتجاجی ریلی۔

☆ 13 جنوری، حیدر آباد: سندھ یونیورسٹی سے حیدر آباد پریس کلب تک زینب کے لیے انصاف' ریلی۔

☆ 16 جنوری، کراچی: ڈاکٹر حسن عارف کے مبینہ قتل کی مذمت کے لیے احتجاج۔

☆ 18 جنوری، کراچی: نقیب اللہ محسود کے ماورائے عدالت قتل کے خلاف کراچی پریس کلب پر احتجاج۔

☆ 05 فروری، کراچی: سندھ میں تین لاپتہ افراد کے ساتھ اظہار یکجہتی کے لیے شر گوٹھ میں احتجاج۔

☆ 11 جنوری، حیدر آباد: سندھ میں دلدلی زمین پر قبضے کے خلاف ماہی گیر برادری کے ساتھ اظہار یکجہتی کے لیے حیدر آباد پریس کلب میں مشترکہ کیمپ

☆ یکم اپریل، کراچی: لاپتہ افراد خادم اریجو، ہدایت لوہار، ایوب، عزیز کے ساتھ اظہار یکجہتی کے لیے کراچی پریس کلب میں کیمپ۔

☆ 30 اپریل، حیدر آباد: محنت کشوں کے عالمی دن کی نسبت سے ریلی۔

☆ 30 اپریل، کوئٹہ: کوئٹہ میں ہزارہ افراد کے قتل کے خلاف کوئٹہ پریس کلب میں ہزارہ افراد کے بھوک ہڑتالی کیمپ کا دورہ۔

☆ یکم مئی، حیدر آباد: ہزارہ افراد کے ساتھ اظہار یکجہتی کے لیے ویمن ڈیموکریٹک فرنٹ کے ہمراہ حیدر آباد پریس کلب میں علامتی بھوک ہڑتال۔

☆ 15 جون، کراچی: سندھ لاپتہ افراد کمیٹی کے ساتھ مل کر کراچی پریس کلب میں ایک روزہ بھوک ہڑتال کی گئی۔

☆ 26 جون، اسلام آباد: ایذا رسانی کے متاثرین کی حمایت میں عالمی دن منانے کے لیے نیشنل پریس کلب کے باہر احتجاج۔

☆ 26 جون، پشاور: ایذا رسانی کے متاثرین کی حمایت میں عالمی دن منانے کے لیے پشاور پریس کلب کے باہر احتجاج۔

☆ 11 جولائی، کراچی: عوامی نیشنل پارٹی کے رہنما بشیر بلور کے قتل کے خلاف کراچی پریس کلب میں احتجاج کیا گیا۔

☆ 18 جولائی، کوئٹہ: مستونگ میں انتخابات کے اجتماع پر ہونے والے خودکش حملے میں 130 افراد مارے گئے۔ اس واقعے کے خلاف کوئٹہ پریس کلب میں احتجاج کیا گیا۔

☆ 30 اگست، کراچی: جبری گمشدگی کے متاثرین کے حق میں عالمی دن کے حوالے سے کراچی پریس کلب میں ایک روزہ کیمپ کا انعقاد کیا گیا۔

☆ 30 اگست، حیدر آباد: جبری گمشدگی کے متاثرین کے حق میں عالمی دن کے حوالے سے احتجاج کیا گیا۔
☆ 30 اگست، لاہور: جبری گمشدگی کے متاثرین کے ساتھ یکجہتی کے طور پر سیمینار منعقد کیا گیا اور احتجاج کیا گیا۔
☆ 30 اگست، ملتان: جبری گمشدگی کے متاثرین کے حق میں عالمی دن کے حوالے سے احتجاج کیا گیا۔
☆ 30 اگست، پشاور: جبری گمشدگی کے متاثرین کے حق میں عالمی دن کے حوالے سے احتجاج کیا گیا۔
☆ 10 اکتوبر، پشاور: سزائے موت کے خلاف عالمی دن کی مناسبت سے پشاور پریس کلب میں احتجاج کیا گیا۔
☆ 10 اکتوبر، حیدر آباد: سزائے موت کے خلاف عالمی دن کی مناسبت سے پشاور پریس کلب میں احتجاج کیا گیا۔
☆ 18 اکتوبر، کوئٹہ: ایچ آر سی پی کی ٹیم نے تیزاب گردی سے متاثرہ شخص سے ملنے کے لیے بولان میڈیکل کالج کا دورہ کیا۔
☆ 25 اکتوبر حیدر آباد: ایچ آر سی پی کی ٹیم ایک نوجوان لڑکی جس کو زبردستی مسلمان بنایا گیا تھا سے ملنے ھالا کی عدالت گئی۔
☆ 18 نومبر، ملتان: انسانی حقوق کے حوالے سے شعور اُجاگر کرنے کے لیے ایچ آر سی پی کی ٹیم نے جام پور اور راجن پور کا دورہ کیا۔
☆ 3 دسمبر، کراچی: ایچ آر سی پی کی ٹیم نے کراچی پریس کلب میں خواتین رہڑی بانوں کے احتجاج میں شرکت کی جو ایمپرس مارکیٹ میں تجاوزات کے خلاف مہم میں اپنائے گئے غیر انسانی رویے پر احتجاج کر رہی تھیں۔
☆ 10 دسمبر، کراچی: تحریک نسواں تنظیم کے ساتھ مل کر کراچی پریس کلب میں انسانی حقوق کا عالمی دن منایا گیا۔
☆ 27 دسمبر، کوئٹہ: ایچ آر سی پی کی ٹیم نے کوئٹہ سے اغوا ہونے والے ڈاکٹر خلیل ابراہیم کی رہائی کے لیے لگائے گئے احتجاجی کیمپ میں شرکت کی۔

شکایات

یکم جنوری سے 31 دسمبر 2018 کے دوران ایچ آر سی پی کے مرکز شکایات کو کل 1,464 شکایات موصول ہوئیں۔ ان میں سے زیادہ تر خواتین کے خلاف تشدد، جبری گمشدگی، نجی اور پولیس زیادتیاں، محکمہ جاتی مسائل، انصاف کی فراہمی اور اقلیتوں کے حوالے سے تھیں۔

انٹرن شپ پروگرام

مختلف یونیورسٹیوں کے طالب علموں نے ایچ آر سی پی انٹرن شپ پروگرام میں شرکت کی۔

محترمہ حصبانہ غفور نے انتخابات کے مشاہدے اور کوائف کے تجزیے میں مدد کی۔ (23 جولائی سے 21 ستمبر 2018)

حافظہ اقصہ خان نے کئی انتظامی اور پروگرامی معاملات بشمول انتخابات کے مشاہدے اور کوائف کے

تجزیے میں مدد کی۔(یکم جولائی سے 31اگست 2018)

آمنہ یونس نے بھی کئی انتظامی اور پروگرامی معاملات بشمول انتخابات کے مشاہدے اور کوائف کے تجزیے میں مدد کی۔(یکم جولائی سے 31 گست)

محترمہ اُلیہ سلیمان نے سال 2019 میں مرکز شکایات کو موصول ہونے والی شکایات کا تجزیہ کیا۔(5 فروری سے 5مارچ 2018)

سارہ احسن خان نے کام کرنے کی جگہ پر خواتین کی جنسی ہراسانی کے حوالے سے تحقیق کی۔اس کے علاوہ اُنھوں نے آزادی اظہار کے موضوع پر ایچ آر سی پی کی فیکٹ فائنڈنگ رپورٹ میں بھی مدد کی۔(15 جولائی سے 15 اگست 2018)

شہرین عمیر نے آزادی اظہار رائے کے حوالے سے ایچ آر سی پی کی فیکٹ فائنڈنگ رپورٹ میں اور جبری گمشدگی کے متاثرین کے حق میں مہم کے حوالے سے مدد کی۔(15 جولائی سے 30اگست 2018)

زویہ مرزا نے پاکستان میں موجود سیاسی جماعتوں کے دساتیر کے موازنے پر مبنی رپورٹ تیار کی اور انتخابات کے مشاہدے میں مدد کی۔(2 جولائی سے 31اگست 2018)

راشد غفور نے پنجاب کے اندر غیرت' کے نام پر قتل اور عصمت دری کے خلاف قوانین کے نفاذ پر رپورٹ بنائی۔(یکم اکتوبر سے 31 دسمبر 2018)

مطبوعات

سال 2018 میں ایچ آر سی پی نے درج ذیل مطبوعات شائع کیں۔

- ☆ 2017 میں انسانی حقوق کی صورت حال (سالانہ رپورٹ)
- ☆ پاکستان میں اظہار رائے کی آزادی پر پابندیاں (فیکٹ فائنڈنگ رپورٹ)
- ☆ بامعنی جمہوریت: عورتوں اور مذہبی اقلیتوں کو قومی دھارے میں لانا (پراجیکٹ کی رپورٹ)
- ☆ 2018 میں انسانی حقوق کی صورتحال کا مختصر جائزہ: ایف آئی ڈی ایچ اور ایچ آر سی پی
- ☆ کیلاش قبیلے کے حقوق اور ثقافت کے تحفظ کا مطالبہ (مشاورت کی رپورٹ)
- ☆ اقلیتیں انصاف کی منتظر: 2014 کے عدالت عظمیٰ کے فیصلے کے بہتر نفاذ کے لیے حکمت عملیاں (مشاورت کی رپورٹ)

ضمیمہ-II

اہم مسائل پر کمیشن کا موقف

عاصمہ جہانگیر کی میراث

12 فروری، 2018: ایچ آر سی پی عاصمہ جہانگیر کی غیر متوقع اور اچانک وفات پر شدید غم اور صدمے سے دوچار ہے۔ عاصمہ جہانگیر نہ صرف ایچ آر سی پی کے بانیوں میں شامل تھیں بلکہ وہ ایک مثالی وکیل، انسانی حقوق کی نامور علمبردار، جمہوریت کی زبردستی حامی، دوست، عظیم استاد اور غریب اور محروم طبقات کی ایک بہادر ساتھی بھی تھیں۔ انسانی حقوق کی تحریک کے لیے عاصمہ جہانگیر کی بے مثال اور نمایاں خدمات کا اعتراف ملکی و عالمی سطح پر ان کے دوستوں و دشمنوں، دونوں نے کیا ہے۔ ایچ آر سی پی انسانی حقوق کے ایسے کسی کارکن کو نہیں جانتا جو عاصمہ جہانگیر سے زیادہ بہادر اور انتھک ہو۔

16 مارچ، 2018: ایف آئی ڈی ایچ اور سول سوسائٹی کی دیگر 21 تنظیموں نے اپنے ایک مشترکہ بیان میں ایچ آر سی پی کی شریک بانی عاصمہ جہانگیر کی خدمات کو خراجِ تحسین پیش کیا۔ بیان میں کہا گیا کہ ان کی وفات ایک بہت بڑا نقصان ہے، اور ہم میں سے وہ تمام لوگ جو انسانی حقوق کے لیے جدوجہد کرتے ہیں انہیں آنے والی کئی دہائیوں تک ان کی قوت، رہنمائی اور حوصلے کی ضرورت رہے گی۔ وہ ہم سب اور انسانی حقوق کے محافظین کی نوجوان نسل کے لیے رہنمائی کا ذریعہ، اور اس مشترکہ جدوجہد کو جاری رکھنے کے لیے توانائی کا ذریعہ رہیں گی جس کے لیے انہوں نے نہایت فراخدلی سے اپنا کردار ادا کیا۔

19 مارچ، 2018: جنیوا میں اقوام متحدہ کی کونسل برائے انسانی حقوق کے 37 ویں اجلاس میں پاکستان کے عالمگیر سلسلہ وار جائزے (یو پی آر) کے نتیجے پر اپنے ایک بیان میں ایف آئی ڈی ایچ اور ایچ آر سی پی نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ حکومت پاکستان نے بنیادی انسانی حقوق کے اہم معاملات سے نبٹنے کے لیے اپنے عزم کا مظاہرہ کرنے کا ایک اور موقع کھو دیا ہے۔ اگرچہ حکومت کو جو سفارشات موصول ہوئیں تھیں ان سے اس نے تقریباً 60 فیصد تسلیم کی تھیں مگر یہ واضح ہو گیا ہے کہ حکومت جبری گمشدگیوں، مذہبی اقلیتوں کی ایذارسانی، سزائے موت کے اطلاق اور ماورائے عدالت قتل جیسی انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزیوں پر قابو پانے کا سیاسی عزم نہیں رکھتی۔

ایف آئی ڈی ایچ اور ایچ آر سی پی حکومتِ پاکستان پر زور دیتے ہیں کہ وہ فوری طور پر اُن سفارشات پر

عملدرآمد کا آغاز کرے جنہیں اس نے تسلیم نہیں کیا تھا اور جو انسانی حقوق کے اُن معاہدوں کے تحت اس کی ذمہ داریوں کے عین مطابق ہیں جن کا پاکستان فریق ہے۔

05اپریل،2018: پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی)8-7اپریل2018 کوالحمرا آرٹس سنٹر(ہال نمبر 1)، مال روڈ لاہور میں عاصمہ جہانگیر کنونشن کا انعقاد کرے گا۔شرکت گاہ،عورت فاؤنڈیشن، ساؤتھ ایشین فری میڈیا ایسوسی ایشن (سیفما)، سیمرغ اور ساؤتھ ایشیا پارٹنر شپ پاکستان (سیپ-پی کے) کے تعاون سے منعقد ہونے والے اس کنونشن کا مقصد نہ صرف مرحومہ عاصمہ جہانگیر کو خراج تحسین پیش کرنا ہے بلکہ اس بات کا جائزہ بھی لینا ہے کہ ہم سول سوسائٹی کے اراکین کے طور پر ان کے مشن کو کیسے جاری رکھ سکتے ہیں۔اس صورتحال میں، یہ بھی ضروری ہے کہ ہم پرانی شراکتوں کو مضبوط بنائیں اور وکلاء،خواتین کے حقوق کے کارکنوں اور صحافیوں،کسانوں، مزدوروں اور مذہبی اقلیتوں کے حقوق پر کام کرنے والے گروہوں سمیت تمام تنظیموں میں نئے ساتھی تلاش کریں،اور ان مقاصد کے حصول کے لیے کام کریں جن کے لیے عاصمہ جہانگیر نے جدوجہد کی تھی۔

07اپریل،2018: ایچ آرسی پی اپنے شریک بانی عاصمہ جہانگیر کی وفات سے پیدا ہونیوالے خلاء پر بہت زیادہ فکر مند ہے۔ایک بیان میں ایچ آرسی پی نے کہا، یہ بات شک وشبے سے بالاتر ہے کہ عاصمہ جہانگیر کی وفات سے انسانی حقوق کی تحریک کو بہت بڑا دھچکا لگا ہے مگر اس کے باوجود یہ انتہائی ضروری ہے کہ ان کے مشن کو نئے جوش وجذبے سے جاری رکھا جائے۔انسانی حقوق،صنفی مساوات، مذہبی اقلیتوں،مزدوروں اور کسانوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے ان کی بے مثال خدمات رائیگاں نہیں جانی چاہئیں۔

یکم جون،2018: ایچ آرسی پی کو یہ جان کر انتہائی خوشی ہوئی ہے کہ لاہور سکول آف اکنامکس نے ایچ آرسی پی کی شریک بانی مرحومہ عاصمہ جہانگیر سے متاثر ہو کر ایم فل ڈویلپمنٹ سٹڈیز پروگرام میں 'انسانی حقوق وترقی' کے نام سے پوسٹ گریجوایٹ کورس شروع کیا ہے۔

14اکتوبر،2018: خودمختاری کے لیے انصاف' کے موضوع پر منعقد ہونے ولی عاصمہ جہانگیر کانفرنس 2018 کامیابی کے ساتھ اختتام پذیر ہوئی۔کانفرنس کا انعقاد عاصمہ جہانگیر فاؤنڈیشن اور اے جی ایچ ایس لیگل ایڈ سیل نے کیا تھا۔اور اس میں کئی ممتاز شخصیات نے خطاب کیا۔کانفرنس میں متعدد سیشن منعقد ہوئے جن میں بنیادی حقوق کے تحفظ،سب کے لیے انصاف اور سزا سے استثنا کا خاتمہ،اظہار رائے کی آزادی،اور انسانی حقوق سے متعلق قوانین کے نفاذ کی راہ میں حائل چیلنجز پر خصوصی توجہ دی گئی۔منتظمین نے عاصمہ جہانگیر کے مشن کو جاری رکھنے کے لیے سالانہ کانفرنس منعقد کرنے کے ارادے کا اظہار کیا، جو انسانی حقوق کے اصولوں کے لیے لڑیں،جن کے متعلق ان کا ماننا تھا کہ یہ تمام ثقافتوں،حکومتی ایجنڈے اور قوموں سے برتر ہیں۔

19دسمبر،2018: پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آرسی پی) یہ بتانے میں فخر محسوس کرتا ہے کہ اس کی شریک بانی عاصمہ جہانگیر کو انسانی حقوق کے اعلیٰ ایوارڈ سے نوازا گیا ہے۔یہ ایوارڈ ہر پانچ سال بعد انسانی حقوق

کے میدان میں نمایاں کارکردگی دکھانے کے صلے میں دیا جاتا ہے۔

انسانی حقوق کے محافظین کی وفات کا دکھ

20 جنوری، 2018: ایچ آر سی پی کو مُنو بھائی کی وفات پر شدید دکھ اور تکلیف پہنچی ہے۔ انہوں نے پاکستان میں جمہوری نظام کے لیے بے مثال خدمات پیش کیں، خاص طور پر 1970 اور 1980 کی دہائیوں کے دوران جب پاکستان پر فوجی آمریت مسلط تھی۔ ایچ آر سی پی کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ مُنو بھائی تین برس تک کمیشن کی انتظامی کونسل کے رکن رہے اور کمیشن نے ان کے مشورے کو ہمیشہ قدر سے نوازا۔

06 مارچ، 2018: محمد جان، جو کہ جام ساقی کے نام سے مشہور تھے، کی وفات سے پاکستان اپنے ایک نامور شہری سے محروم ہو گیا ہے۔ انہوں نے اپنی 74 سالہ زندگی میں سے تقریباً چھ دہائیاں عوام، خاص طور پر مظلوم طبقات کے حقوق کی جدوجہد میں بسر کیں۔ جام ساقی کچھ برسوں تک پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے کونسل رکن بھی رہے اور ایچ آر سی پی کے کئی فیکٹ فائنڈنگ وفود کا حصہ رہے۔ ایچ آر سی پی جام ساقی کی وفات پر دکھ کا اظہار کرنے کے علاوہ، عوام کے حقوق کی جدوجہد میں ان کے نمایاں کردار کا بھی معترف ہے۔

26 اپریل، 2018: ایچ آر سی پی اعلیٰ درجے کی فنکار، ڈرامہ نگار، ڈائریکٹر اور انسانی حقوق کی محافظ مدیحہ گوہر کی وفات پر شدید غمزدہ ہے۔ وہ خواتین کے حقوق، ترقی پسند و سیکولر اقدار اور پاکستان و ہندوستان کے مابین دوستی کی پرعزم حمایتی تھیں۔

22 نومبر، 2018: ایچ آر سی پی ممتاز شاعر، مفکر اور کارکن فہمیدہ ریاض کے انتقال پر انتہائی غمزدہ ہے۔ وہ 21 نومبر کو لاہور میں وفات پا گئی ہیں۔ ایچ آر سی پی نے کہا کہ محترمہ ریاض انسانی حقوق کی محافظ تھیں جن کی تحریریں ہمیشہ روایتی ادب کی حدود سے بالاتر رہیں۔ عورتوں کے حقوق کے ساتھ ان کی دلی وابستگی ان کی شاعری کا اہم حصہ تھی۔ انہوں نے پاکستان میں عورتوں کو آواز اور ادب میں جو جگہ دی اس کی کم ہی مثالیں ملتی ہیں۔

قانون کی حکمرانی

09 فروری، 2018: ایچ آر سی پی نے اس بات پر غم و غصے کا اظہار کیا ہے کہ جنید حفیظ کا مقدمہ ایک دوسرے جج کو منتقل کر دیا گیا ہے جس سے ان کا شفاف ٹرائل کا حق مزید متاثر ہوا ہے۔ جنید حفیظ کو مارچ 2013ء میں اس وقت گرفتار کیا گیا تھا جب طلباء کے ایک گروہ نے ان پر توہین مذہب کا الزام عائد کیا تھا۔ اس بات کا خدشہ ہے کہ اگر اس وقت جنید حفیظ کے شفاف ٹرائل کے حق کو یقینی نہ بنایا گیا تو انہیں مزید پانچ سے دس سال جیل میں گزارنے پڑ سکتے ہیں۔

کمیشن کا موقف ہے کہ مسٹر حفیظ کو مناسب وقت کے اندر شفاف ٹرائل کے حق سے محروم رکھا گیا ہے جو کہ شفاف سماعت کے حق کا ایک لازمی جزو ہے اور جس کا ذکر آئین پاکستان کے آرٹیکل 10۔الف اور انسانی حقوق کے

بین الاقوامی معاہدوں میں کیا گیا ہے۔ ایچ آر سی پی مسٹر حفیظ کے مقدمے کی منتقلی کی شدید الفاظ میں مذمت کرتا ہے اور اپنے موقف کو پھر سے دہراتا ہے کہ پاکستان کی انسانی حقوق سے متعلق قومی اور بین الاقوامی ذمہ داریاں اس کے کسی بھی شہری کے انسانی حقوق کو اس غیر مناسب طریقے سے نظر انداز کیے جانے کی حمایت نہیں کرتیں۔

12 مارچ، 2018: ایچ آر سی پی نے کئی پشتون و بلوچ طالب علموں کے خلاف پنجاب یونیورسٹی کی انتظامیہ کے حالیہ اقدامات پر نہایت تشویش کا اظہار کیا ہے۔ یہ تاثر باعثِ تشویش ہے کہ یونیورسٹی انتظامیہ پشتون اور بلوچ طالب علموں کو ان کی لسانی شناخت کے باعث نشانہ بنا رہی ہے۔ ایچ آر سی پی کا یونیورسٹی سے مطالبہ ہے کہ اِن جائز اور سنجیدہ تحفظات کے ازالے کے لیے فوری اقدامات کیے جائیں۔ ایچ آر سی پی کی یونیورسٹی انتظامیہ سے یہ اپیل بھی ہے کہ مسئلے کے حل کے لیے احتجاجی طلباء کے ساتھ جلد از جلد مذاکرات کیے جائیں۔

16 مارچ: 2018: عالمی وفاق برائے انسانی حقوق (ایف آئی ڈی ایچ) اور اس کے رکن ایچ آر سی پی نے کہا ہے کہ پاکستان نے 13 نومبر 2017 کو جنیوا، سوئٹزر لینڈ میں اپنے تیسرے عالمگیر سلسلہ وار جائزے (یو پی آر) میں انسانی حقوق کے اہم معاملات سے نبٹنے کے لیے اپنی سنجیدگی ظاہر کرنے کا ایک اور موقع ضائع کر دیا ہے۔ تیسرے یو پی آر کے دوران اقوام متحدہ کی رکن ریاستوں نے پاکستان کو 289 سفارشات پیش کیں جن میں سے اس نے 168 سفارشات قبول کیں۔ دیگر 17 سفارشات کو 'قلمبند' کیا اور چار سفارشات مسترد کیں۔ ایف آئی ڈی ایچ اور ایچ آر سی پی نے پاکستانی حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ ان سفارشات کے نفاذ کے لیے کام شروع کرے جو اس نے قبول نہیں کیں اور جو انسانی حقوق کے ان معاہدات کے تحت پاکستان پر عائد فرائض کے ساتھ ہم آہنگ ہیں جن کا پاکستان فریق ہے۔ ایچ آر سی پی نے افسوس کا اظہار کیا ہے کہ پاکستان نے سزائے موت بشمول، بچوں سے سرزد ہونے والے جرائم کے لیے اور ان جرائم کے لیے جو 'انتہائی سنگین جرائم' کے زمرے میں نہیں آتے، ختم کرنے سے مکمل انکار کر دیا ہے۔ کمیشن کے خیال میں سزائے موت کا اطلاق انسانی حقوق کے عالمی فرائض کی واضح خلاف ورزی ہے۔

16 اپریل، 2018: میں پاکستان اقوام متحدہ کی کونسل برائے انسانی حقوق کا رکن منتخب ہوا۔ ایچ آر سی دنیا بھر میں تمام انسانی حقوق کے فروغ اور تحفظ کی ذمہ دار ہے۔ ایچ آر سی پی کو افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ ملک کا تیسرا عالمگیر سلسلہ وار جائزہ (یو پی آر) انتہائی مایوس کن تھا۔ اپنی سالانہ رپورٹ، ''2017 میں انسانی حقوق کی صورتحال''، جو مرحومہ عاصمہ جہانگیر کے نام کی گئی ہے، کے اجراء کے موقع پر ایچ آر سی پی نے اس بات کا مشاہدہ کیا کہ انسانی حقوق کے عالمی محافظین کی نظر میں اپنا قد و قامت بڑا کرنے کے لیے پاکستان نے جو اقدامات کیے ہیں ہو سکتا ہے کہ ان کے پیچھے نیک نیتی اور اچھا ارادہ کارفرما ہو مگر اس کے لیے صرف قانون سازی کافی نہیں ہے۔ انسانی حقوق کے قومی اداروں کو اپنے فرائض بخوبی انجام دینے کے لیے مناسب اختیارات، آزادی اور وسائل چاہییں۔ اور ایسا نہ ہونے کی صورت میں، نمائندگی سے محروم اور ہر لحاظ سے غیر محفوظ لوگوں کے پاس انسانی حقوق کے محافظین کی

طرف رجوع کرنے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں بچتا اور انسانی حقوق کے محافظین کو ان پسے ہوئے لوگوں کی آواز بننے کے لیے اپنی آزادی داؤ پر لگانا پڑتی ہے۔

24 مئی، 2018: ایچ آر سی پی نے حکومت گلگت بلتستان (جی بی) آرڈر 2018 پر شدید تنقید کرتے ہوئے کہا کہ یہ آرڈر جی بی کے لوگوں کی اس توقع پر پورا نہیں اتر سکا کہ اس کے ذریعے انہیں پاکستان کا مکمل شہری تسلیم کیا جائے گا۔ اپنے ایک بیان میں، ایچ آر سی پی نے کہا: 'جی بی کے عوام کو بنیادی آزادیاں دینے کے دعوے کی آڑ میں جی بی آرڈر نے درحقیقت ان لوگوں سے انجمن سازی اور اظہار کی آزادی کا حق چھین لیا ہے۔ اس آرڈر کی رُو سے، گلگت۔ بلتستان کا کوئی بھی باشندہ نہ تو سپریم اپیلٹ کورٹ کا چیف جج بن سکتا ہے اور نہ ہی ان لوگوں کو علاقے کی اندرونی سکیورٹی کے معاملات میں کوئی کردار ادا کرنے کا حق حاصل ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اس قانون نے عوام کے تحفظات کو مکمل طور پر نظرانداز کیا ہے حالانکہ جی بی میں عوام کا پرزور مطالبہ ہے کہ وہاں کے لوگوں کے مسائل ان کی خواہشات کو مدنظر رکھ کر حل کیے جائیں۔

10 اکتوبر، 2018: ایچ آر سی پی نے ایشین فورم برائے انسانی حقوق و ترقی (فورم-ایشیا) اور ایشیا میں سول سوسائٹی کی 28 تنظیموں کی جانب سے جاری کیے گئے مشترکہ بیان میں سنگاپور حکام کی جانب سے حال ہی میں عبدالواحد بن اسماعیل، محسن بن نائم، اور زین الدین بن محمد کو دی جانے والی پھانسی کی مذمت کی ہے۔ تینوں کو منشیات سے متعلقہ جرائم پر سزائے موت سنائی گئی تھی اور انہیں 05 اکتوبر 2018 کو پھانسی لگائی گئی۔ انسانی حقوق کی تنظیموں کے نیٹ ورک کی حیثیت سے، فورم-ایشیا سمجھتا ہے کہ سزائے موت زندگی کا حق جو کہ دیگر حقوق کے حصول کے لیے لازمی شرط ہے، کی سنگین خلاف ورزی ہے۔

یکم نومبر، 2018: ایچ آر سی پی نے مسیحی خاتون آسیہ بی بی کو رہا کرنے سے متعلق سپریم کورٹ کے تاریخی فیصلے کا خیرمقدم کیا ہے۔ آسیہ بی بی کو 2010ء میں توہین مذہب کے جرم میں موت کی سزا سنائی گئی تھی۔ ایچ آر سی پی نے کہا کہ اگر انسانی حقوق کے تناظر میں دیکھا جائے تو سپریم کورٹ کا تفصیلی فیصلہ توہین مذہب کے قانون کے اطلاق کے مبہم ترین پہلوؤں کی نشاندہی کرتا ہے۔ بے گناہی کا مفروضہ بڑی آسانی سے اخلاقی غم و غصے تلے دب جاتا ہے، جو کمزور اور محروم افراد کو ان لوگوں کے مقابلے میں لا کھڑا کرتا ہے جو اکثریت میں ہیں۔ علاوہ ازیں، ماورائے عدالت اقبال جرم کو کسی بھی قسم کی قانونی حیثیت رکھنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔' ایچ آر سی پی نے انتہا پسند مذہبی و سیاسی گروہوں کے قابل ملامت ردعمل کی بھی شدید مذمت کی ہے جنہوں نے پرتشدد مظاہرے کیے اور اس کیس سے وابستہ افراد کو کھلے عام جان سے مارنے کی دھمکیاں دیں۔ ایچ آر سی پی نے مزید کہا کہ ریاست کو بالآخر توہین مذہب کے قوانین میں اصلاحات کرنا ہوں گی تاکہ یہ اس قانون کا اپنے شہریوں پر منصفانہ اور بلالحاظ عقیدہ اطلاق کر سکے۔'

12 نومبر، 2018: ایف آئی ڈی ایچ اور اس کی رکن تنظیم ایچ آر سی پی نے ایک مشترکہ بیان میں کہا کہ یورپی یونین (ای یو) کو آئندہ دنوں حکومت پاکستان کے ساتھ انسانی حقوق سے متعلق ہونے والی بات چیت کے

دوران ملک کی نئی حکومت پر زور دینا چاہئے کہ وہ انسانی حقوق کے تحفظ کے لیے ٹھوس اصلاحات کرے۔ ایف آئی ڈی ایچ اور ایچ آر سی پی نے یہ مطالبہ ایک ایسے وقت میں کیا جب نظم ونسق اور انسانی حقوق سے متعلق ای یو پاکستان جوائنٹ کمیشن کا ذیلی گروپ پاکستان کا دورہ کرنے والا ہے۔ یہ ملاقات 13 نومبر 2018ء کو اسلام آباد میں طے تھی۔ اس حوالے سے دو تنظیموں نے اپنا مشترکہ بریفنگ نوٹ جاری کیا تھا جس میں جوائنٹ کمیشن کے اکتوبر 2017ء کو ہونے والے گزشتہ دورے سے اب تک انسانی حقوق کے اہم مسائل کی تفصیلات فراہم کی گئی تھیں۔

10 دسمبر، 2018: ایچ آر سی پی نے انسانی حقوق کے عالمی اعلامیے کی 70 ویں سالگرہ کے موقع پر انسانی حقوق کے نامور محافظ آئی اے رحمان کے پبلک لیکچر کا اہتمام کیا۔ دراب پٹیل آڈیٹوریم میں ہونیوالی اس تقریب میں طالبعلموں، وکیلوں، انسانی حقوق کے کارکنوں اور صحافیوں سمیت سول سوسائٹی تنظیوں کے افراد نے شرکت کی۔ '2017 میں تیسرے یونیورسل سلسلہ وار نظر ثانی میں پاکستان کی کارکردگی کا جائزہ' لیکچر کا موضوع تھا۔ کونسل برائے انسانی حقوق کی قیادت میں تمام فریق ریاستوں کو موقع دیا جاتا ہے کہ وہ اپنے اقدامات کا ذکر کریں جوانہوں نے اپنے ملک میں انسانی حقوق کی صورتحال میں بہتری لانے اور انسانی حقوق کے تحفظ کے لیے اپنے پر عائد ذمہ داریاں پورا کرنے کے لیے کیے ہوتے ہیں۔ ایچ آر سی پی کے لیے یہ بات تشویشناک ہے کہ پاکستان کو ملک میں انسانی حقوق کے مختلف معاملات پر دیگر ممالک سے ملنے والی سفارشات میں بہت زیادہ اضافہ ہوا ہے۔ ایچ آر سی پی کو جس بات پر زیادہ تشویش ہے وہ یہ ہے کہ پاکستان نے انسانی حقوق کے بنیادی اصولوں کی تائید' کرنے کی بجائے انہیں نوٹ' کرنے کا انتخاب کیا جن میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں میں ملوث سکیورٹی فورسز کے خلاف تحقیقات اور قانونی کارروائیوں کی رپورٹنگ؛ خواتین اور لڑکیوں اور لسانی اور مذہبی اقلیتوں سمیت محروم طبقات کے خلاف امتیازی قوانین میں ترمیم کرنا؛ بچوں کے حقوق کا، خاص طور پر انسداد دہشت گردی کی کارروائیوں کے دوران، زیادہ موثر طریقے سے تحفظ کرنا؛ سزئے موت دینے اور بچوں کو پھانسی دینے سے اجتناب کرنا؛ مذہبی اقلیتوں کے خلاف توہین مذہب کے قوانین کے غلط استعمال اور تشدد کے استعمال کو روکنے کے لیے موثر اقدامات کرنا شامل ہے۔

ایچ آر سی پی ریاست پر زور دیتا ہے کہ وہ اقوام متحدہ کے انسانی حقوق سے متعلق نظام ہائے کار کے ساتھ تعاون پر آمادگی کا عزم ظاہر کرے، اور یو پی آر کی ان تمام سفارشات کا من وعن اطلاق کرے جو اس نے نوٹ' کی ہیں یا جنہیں اس نے تسلیم' کیا ہے۔

22 دسمبر، 2018: یونیورسٹی آف سرگودھا کے پروفیسر میاں جاوید احمد کی عدالتی تحویل میں ہونے والی ہلاکت پر کمیشن نے کہا کہ بظاہر احتساب کے نام لوگوں کی عزتِ نفس جس طرح مجروح کی جارہی ہے یہ انتہائی افسوسناک امر ہے۔ ایچ آر سی پی نے کہا کہ جن لوگوں کو ریاستی اداروں، مثال کے طور پر قومی احتساب بیورو (نیب) نے تحویل میں لیا ہے، ان کی بے گناہی یا جرم قانون کی رُو سے ثابت کیا جائے اور اس حوالے سے قانونی ضوابط سے انحراف نہ کیا جائے۔ ایچ آر سی پی نے یہ بھی کہا کہ منتخب اراکین پارلیمان اور سیاسی مخالفین کو ہراساں کرنے

کے لیے ایگزٹ کنٹرول لسٹ کے بے جا استعمال سے نہ ہو تو معاشرہ مضبوط ہوگا اور نہ ہی اس سے ایک ایسا سماج وجود میں آئے گا جو دیانتدارانہ تنقید کا سامنا کر سکے۔ ایچ آر سی پی نے ریاست سے مطالبہ کیا ہے کہ اس اصول کو مدنظر رکھا جائے کہ وقار کا حق نا قابل تنسیخ حق ہے اور یہ کہ قانون کی حکمرانی کو برقرار رکھنے کے لیے دستیاب ذرائع اور طریق ہائے کار کا استعمال انصاف اور شفافیت کے ساتھ کیا جائے۔

قانون کا نفاذ

12 جنوری، 2018: پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق نے قصور میں ایک سات سالہ لڑکی کے ریپ اور قتل، پولیس تحقیقات کی سست روی اور بچی کے لیے انصاف کا مطالبہ کرنے والے مظاہرین پر تشدد کے استعمال کی شدید مذمت کی۔ کمیشن نے صوبائی حکومتوں سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ ان موضوعات کو سکولوں کے نصاب میں شامل کرنے کے لیے اقدامات کریں تا کہ طلبہ کو ان حساس معاملات کے بارے میں آ گاہی فراہم کی جا سکے اور انہیں حفاظت کرنے کے قابل بنایا جا سکے۔ کمیشن نے اس بات کی نشاندہی کی کہ چند سال پہلے چائلڈ پروٹیکشن ویلفیئر بیورو پنجاب کی طرف سے بچوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے قائم کی گئی ہیلپ لائن کی موثر تشہیر نہیں کی گئی۔ ''اس سانحے کے بعد میڈیا کو بھی اس بات کا احساس کرنا ہوگا کہ اس طرح کے سانحہ کو مکمل ذمہ داری اور قوت کے ساتھ اجاگر کرنا ہی کافی نہیں ہوتا بلکہ اس کا فالو اپ اس سے بھی زیادہ اہم ہوتا ہے۔ تا کہ مستقبل میں کوئی مستقل اور دیرپا حل نکالا جا سکے اور اس طرح کے لرزہ خیز سانحات سے بچا جا سکے''۔

23 جنوری، 2018: ایچ آر سی پی نے ضلع چارسدہ کے علاقے شبقدر میں مذہب کی تضحیک کے الزام میں ایک طالبعلم کے ہاتھوں کالج پرنسپل کے قتل پر غم و غصے کا اظہار کیا ہے۔ ایچ آر سی پی نے اپنے بیان میں کہا: ''اس قتل سے یہ افسوسناک حقیقت ایک بار پھر اجاگر ہوئی ہے کہ ذاتی رنجشیں نبٹانے کے لیے تضحیکِ مذہب کے موجودہ قوانین کا استعمال کتنا آسان ہے۔ تضحیکِ مذہب انتہائی حساس معاملہ ہے اور لوگوں کو طیش میں آ کر قتل کرنے سے قبل اُن پر عائد الزامات کو ثابت کرنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی جاتی۔ افسوس کی بات ہے کہ ان واقعات سے کوئی سبق حاصل نہیں کیا جا رہا اور نہ ہی مقتدر حلقے اِن کی روک تھام کے لیے کسی قسم کے اقدامات کر رہے ہیں۔ اس واقعہ نے ایک بار پھر ثابت کر دیا ہے کہ ہمارے معاشرے میں ایک طرف تو عدم برداشت میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے جبکہ دوسری طرف، حکام انتہاپسندی کے چیلنج سے نبٹنے میں بے حسی اور ناکامی کا شکار ہیں۔

20 اپریل، 2018: ایچ آر سی پی نے اپنی سالانہ رپورٹ، ''انسانی حقوق کی صورتحال''، کی مدیر کے گھر پر ڈکیتی کی طرز کے چھاپے کی شدید مذمت کی۔ ایچ آر سی پی کی اس رپورٹ کی رونمائی 16 اپریل کو اسلام آباد میں ہوئی تھی۔ کمیشن نے آج جاری ہونے والے اپنے ایک بیان میں کہا: 'ایچ آر سی پی کو شبہ ہے کہ یہ دو خوش اخلاق چھاپہ مار عام ڈکیت نہیں تھے۔

ایچ آر سی پی حکومت پنجاب سے مطالبہ کرتا ہے کہ مجرموں کی شناخت کی جائے اور انہیں گرفتار کیا جائے۔

ایچ آر سی پی کا مزید کہنا تھا کہ اگر ریاستی اور غیر ریاستی عناصر نے کمیشن سے وابستہ کسی بھی شخص کو ہراساں کرنے کی کوشش کی تو اس کے ذمہ دار صوبائی حکام ہوں گے۔

25 اپریل، 2018: ایچ آر سی پی نے اپریل کے مہینے کے دوران کوئٹہ میں جان لیوا حملوں میں اضافے کی شدید مذمت کی۔ فرنٹیئر کور کی چوکی کے باہر ہونے والے خودکش حملے میں فرنٹیئر کور کے آٹھ اہلکار ہلاک ہوئے جبکہ اس کے کچھ ہی دیر بعد دوسرا حملہ پولیس کی گاڑی پر ہوا جس میں چھ پولیس اہلکار مارے گئے۔ ایچ آر سی پی نے اپنے ایک بیان میں کہا کہ قانون نافذ کرنے والے ادارے جو شہریوں کے تحفظ کے ذمہ دار ہیں، وہ بھی ان حملوں کا نشانہ بنتے ہیں۔ یہ حقیقت صوبے میں جاری امن وامان کے مسئلے کی سنگینی کو ظاہر کرتی ہے۔ کمیشن نے حکومت پر زور دیا کہ وہ ان جرائم کا ارتکاب کرنے والوں کو فوری طور پر انصاف کے کٹہرے میں لائے اور ان عناصر کے خلاف سخت کارروائی کرے جو اقلیتی برادریوں کے خلاف تشدد کی ترغیب دیتے ہیں۔

11 مئی، 2018: ایچ آر سی پی نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ شمالی وزیرستان میں لڑکیوں کے اسکولوں پر ہونے والے دو حالیہ حملوں کی تحقیقات کرے۔ ''کمیشن کو یہ جان کر دھچکا لگا ہے کہ علاقہ مکینوں کو کھلے عام دھمکیاں دی جارہی ہیں کہ وہ اپنی بیٹیوں کو اسکول نہ بھیجیں۔ یہ ریاست کی آئینی اور اخلاقی ذمہ داری ہے کہ وہ اس بات کو یقینی بنائے کہ پاکستان کا ہر بچہ اسکول جائے۔ کسی بھی فرد یا گروہ کو انہیں روکنے کا حق حاصل نہیں ہے۔

04 جون، 2018: ایچ آر سی پی نے وانا، جنوبی وزیرستان میں 3 جون کو پشتون تحفظ موومنٹ (پی ٹی ایم) کے اجتماع پر حملے کے نتیجے میں کم از کم تین افراد کی ہلاکت اور 20 کے زخمی ہونے کی اطلاعات پر شدید تشویش کا اظہار کیا۔ ''ہمارا انتظامیہ کو مشورہ ہے کہ وہ امن بحال کرے اور پی ٹی ایم کے حمایتیوں اور 'امن کمیٹی' کے نام سے سرگرم مسلح گروہوں کے درمیان کشیدگی روکنے کے لیے اقدامات کرے۔ علاقے نے کافی قتل وغارت دیکھ لی ہے: وہاں کے عوام کو امن اور استحکام دیکھنے کا موقع ملنا بہت ضروری ہے۔''

07 جون، 2018: ریاست پر تنقید کرنے والے لوگوں کو، اطلاعات کے مطابق، سیکیورٹی فورسز کی طرف سے تواتر اور آزادی کے ساتھ نشانہ بنائے جانے پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے ایچ آر سی پی نے کہا کہ قانون نافذ کرنے والے اداروں کے حوالے سے اپنے خیالات کی وجہ سے پہچانی جانے والی صحافی گل بخاری کا اغواء شدید تشویش کا باعث ہے۔ ایچ آر سی پی نے مزید کہا کہ جبری گمشدگیاں معمول کا کام بن گئی ہیں اور ان لوگوں کو خوفزدہ کرنے کا آسان اور ظالمانہ ذریعہ ہیں جو قانون نافذ کرنے والے اداروں کے نقطہ نظر سے اتفاق نہیں کرتے۔ ایچ آر سی پی نے ایسے تمام غیر آئینی اقدامات کی شدید مذمت کی ہے جن کا مقصد شہریوں کو خوفزدہ و ہراساں کرنا یا انہیں ایسی صورتحال میں مبتلا کرنا ہو کہ ان کی سلامتی محفوظ نہ رہے۔'

22 جون، 2018: ایچ آر سی پی نے کہا کہ ''جس تواتر کے ساتھ انسانی حقوق کے کارکنوں کو نشانہ بنایا جارہا ہے'' کمیشن کے لیے تشویش کا باعث ہے۔ ایچ آر سی پی کا مطالبہ ہے کہ حالیہ واقعے کی کھلے عام اور شفاف

تحقیقات کروائی جائیں تاکہ یہ پیغام دیا جاسکے کہ انسانی حقوق کے کارکنوں اوران کے اہل خانہ کوخوفزدہ کرنے کی کوششیں ناقابل قبول اورغیرآئینی ہیں۔ایسے افسوس ناک اقدامات کواب مزید برداشت نہیں کیا جاسکتا‘‘۔یہ بیان بلاگراورانسانی حقوق کے کارکن وقاص گورائیہ کومسلسل ہراساں کرنے اوردھمکائے جانے کی اطلاعات کے بعد جاری کیا گیا تھا۔

26جون،2018: ایچ آرسی پی نے ریاست سے مطالبہ کیا ہے کہ ایذارسانی کے خلاف اقوام متحدہ کے میثاق (یُو این کیٹ) کے نفاذ کے لیے اقدامات کیے جائیں جس کی پاکستان نے توثیق بھی کررکھی ہیں۔اورایچ آرسی پی نے یہ بھی مطالبہ کیا کہ یواین کیٹ کے اختیاری پروٹوکول کی توثیق کی جائے اورایذارسانی کی روک تھام کے لیے قومی سطح کا نظام وضع کیا جائے اورمزید کہا کہ قانون نافذکرنے والے اداروں کوتربیت، وسائل اورتفتیش کی جدید طریقوں تک رسائی کے حوالے سے موثر مدد درکار ہے۔کمیشن نے کہا ہے کہ’’ظالمانہ،غیرانسانی یا ذلت آمیز برتاؤیا سزا سے تحفظ کے حق کا اطلاق تمام حالات میں ہوتا ہے اوراس حوالے سے کسی کوبھی استثنا حاصل نہیں ہے۔یہ اصول ایک مہذب ریاست کی اساس سمجھا جاتا ہے‘‘۔

11جولائی،2018: ایچ آرسی پی نے پشاور میں عوامی نیشنل پارٹی (اے این پی) کی کارنرمیٹنگ پر ہونے والے خودکش حملے کی شدید مذمت کی جس میں اے این پی کے رہنما ہارون بلورسمیت کم ازکم 20افراد ہلاک ہوئے۔ایچ آرسی پی نے اس واقعے کو’’انتخابات سے پہلے کی ہولناک پیش رفت قراردیا‘‘۔

کمیشن نے مطالبہ کیا کہ ریاست غیرریاستی عناصرکی جانب سے انتخابی عمل میں رکاوٹ ڈالنے کے لیے تشدد کے آزادانہ استعمال کی واضح طورپر مذمت کرے اوراس بات کویقینی بنائے کہ ایسے امیدواروں کوان کی انتخابی مہموں کے دوران مناسب تحفظ فراہم کیا جائے۔

14جولائی،2018: مستونگ میں ایک انتخابی جلسے میں ہونے ولے بم دھماکے میں کم ازکم 128افراد ہلاک ہوئے جس پرافسوس کا اظہارکرتے ہوئے ایچ آرسی پی نے کہا ہے کہ انتخابی مہم کے دوران تشدد کی لہر کا جنم لینا پریشان کن امر ہے۔کمیشن نے ملک میں امن وامان کے اقدامات کی افادیت پربھی سوالیہ نشان لگایا ہے۔کمیشن نے اس چیز کی نشاندہی بھی کی ہے کہ بیک وقت پنجاب میں ہونے والی پیش رفتوں کی وجہ سے مستونگ کے حملے سے توجہ ہٹ گئی ہے۔کمیشن نے کہا،’’انسان کے اجتماع اورسلامتی کے حقوق عالمگیر ہیں اوران کا تحفظ ہونا چاہیے۔ہم حکام سے پُرزورمطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اس چیزکویقینی بنانے کے لیے ہرممکن کوشش کریں کہ انتخابات میں جوتھوڑا بہت وقت رہ گیا ہے وہ ملک بھرمیں امن سے گزرے اورکسی قسم کا ناجائزاثرورسوخ نہ استعمال ہوسکے۔

30اگست،2018: جبری گمشدگیوں کے عالمی دن کے موقع پرجاری کئے گئے ایک بیان میں ایچ آرسی پی نے مطالبہ کیا کہ حکومت جبری گمشدگیوں کوضابطہ تعزیرات کے تحت جرم قراردے اورجبری گمشدگیوں سے متعلق تحقیقاتی کمیشن کی جگہ ایک عدالتی ٹربیونل تشکیل دے جوسپریم کورٹ کوجوابدہ ہو۔اس نے مزید کہا کہ جبری گمشدگیوں

سے متعلق 2010ء کے عدالتی کمیشن کے حقائق کو منظر عام پر لایا جائے اور ان پر عمل درآمد کیا جائے اور یہ کہ وقت کا تقاضا یہ بھی کہ پاکستان تمام افراد کو جبری یا غیر رضا کارانہ گمشدگیوں سے تحفظ فراہم کرنے کے بین الاقوامی معاہدے کی توثیق کرے، اور جبری یا غیر رضا کارانہ گمشدگیوں سے متعلق اقوام متحدہ کے ورکنگ گروپ کے ساتھ مل کر کام کرے۔

4 نومبر، 2018: دائیں بازو کی مذہبی سیاسی جماعتوں، خاص طور پر تحریک لبیک پاکستان (ٹی ایل پی) جس نے سپریم کورٹ کی جانب سے آسیہ بی بی کی رہائی کے فیصلے کی مخالفت کی تھی، کی جانب سے تین دن تک جاری رہنے والے تشدد کے بعد ایچ آر سی پی نے ریاست کی رٹ اور قانون کی حکمرانی کا تقدس برقرار رکھنے میں حکومتی ناکامی پر تشویش کا اظہار کیا۔ کمیشن نے کہا کہ آسیہ بی بی کی رہائی کو ایک تاریخی عدالتی فیصلے اور انسانی حقوق کی فتح کے طور پر سراہا گیا تھا تاہم اس کے بعد ایک ایسی افسوس ناک صورتحال دیکھنے کو ملی جس میں اختلاف رائے کے پر امن حق اور ایک ایسے ہجوم کی غنڈہ گردی میں کوئی فرق نہیں رہا تھا جو توڑ پھوڑ کرنے، شہریوں اور قانون نافذ کرنے والے اہلکاروں پر حملے کرنا، املاک کو اندھا دھند نقصان پہنچانا اور مذہبی اقلیتوں کے خلاف نفرت کا پرچار کرنا اپنا اخلاقی حق' سمجھتے تھے۔' ایچ آر سی پی نے اس بات پر سخت تشویش کا اظہار کیا کہ حکومت نے کتنی جلدی انتہا پسندوں کی زیر قیادت ہجوم کی شرائط کے سامنے ہتھیار ڈال دیے، باوجود اس کے کہ پہلے اس نے ریاست کی رٹ برقرار رکھنے کا اعلان کیا تھا۔ ایچ آر سی پی نے حکومت سے پرزور مطالبہ کیا ہے کہ وہ ان گروہوں اور افراد کے خلاف ایک واضح اور یکساں موقف اپنائے جو اپنے مقاصد کے حصول کے لیے پر تشدد اور ماورائے آئین طریقے اختیار کرنے میں ذرا بھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے۔

یکم دسمبر، 2018: ایچ آر سی پی نے "صنف پر مبنی تشدد کے خلاف ایکٹوازم کے 16 دن" نامی اپنی مہم کے تحت ایک تھیٹر اور ڈانس پرفارمنس کا اہتمام کیا جس کا مقصد پاکستان میں خواتین اور لڑکیوں کے خلاف تشدد کے مسئلے کو اجاگر کرنا تھا۔ اس کے بعد ایک اوپن فورم منعقد کیا گیا جس میں ملک میں صنف پر مبنی تشدد کے انداز اور گھریلو تشدد اور "

کے نام پر جرائم کی بڑھتی ہوئی شرح پر بحث کی گئی۔ ایک بیان میں کمیشن نے کہا کہ عورتوں کے جسم اور ذہن کو جائیداد تصور کرنے یا تشدد، استحصال اور بدسلوکی کا آسان ہدف سمجھنے والے پدرسری نظام اور اس نظام سے جنم لینے والی رسموں کی مہذب معاشروں میں کوئی جگہ نہیں ہے۔ ایچ آر سی پی نے ریاست سے مطالبہ کیا کہ وہ انفراسٹرکچر پر بہت زیادہ وسائل صرف کرے تاکہ انتہائی غیر محفوظ اور پسماندہ خواتین ان تک رسائی حاصل کر سکیں۔ ایچ آر سی پی نے یہ بھی مطالبہ کیا کہ ریاست صنف کی بنیاد پر تشدد کے خلاف رائج انسانی حقوق کے قومی و عالمی نظام کے تحت اپنی تمام ذمہ داریاں پوری کرے۔

24 دسمبر: 2018: انکوائری کمیشن برائے جبری گمشدہ افراد نے رپورٹ کیا ہے کہ 30 نومبر 2018

تک اس کے پاس 2,116 حل طلب کیسز تھے، تاہم ایچ آر سی پی کو فیلڈ سے ملنے والی اطلاعات پر شدید تشویش ہے جن کے مطابق اصلی تعداد بہت زیادہ ہے، اور اس سے بھی زیادہ اہم بات یہ ہے کہ جبری گمشدگیوں کے مسئلے کو اتنی توجہ نہیں مل رہی جتنی ملنی چاہیے۔

ایچ آر سی پی کا حکومت سے ایک بار پھر مطالبہ ہے کہ نہ صرف جبری گمشدہ لوگوں کا سراغ لگانے اور انہیں بازیاب کرنے کے لیے ٹھوس اقدامات کیے جائیں بلکہ اس امر کو یقینی بنایا جائے کہ لوگوں کو اٹھانے والوں کو سزا ملے؛ جبری گمشدگی جرم قرار پائے اور ملک کے عالمی فرائض اور اپنے عوام کے جانب اخلاقی ذمہ داریوں کی روشنی میں اقوام متحدہ کے متعلقہ معاہدوں کی توثیق ہو۔

بنیادی آزادیاں

06 فروری، 2018: ایچ آر سی پی کا وفاقی حکومت سے مطالبہ ہے کہ وہ اسلام آباد میں جاری وزیرستان کے لوگوں کے احتجاج کا نوٹس لے۔ احتجاجی مظاہرین نے نقیب اللہ کے قتل کے ملزم پولیس افسر راؤ انور کی گرفتاری، کراچی اور ملک بھر میں ماورائے عدالت ہلاکتوں کی تحقیقات، جبری گمشدگیوں کی روک تھام اور لاپتا افراد کی بازیابی، وزیرستان اور فاٹا میں بارودی سرنگوں اور اجتماعی ذمہ داری سزاؤں کے خاتمے کا بھی مطالبہ کیا ہے جن کے تحت کسی بھی قسم کی انتہا پسندانہ یا مجرمانہ سرگرمیوں کی صورت میں پورے دیہات، قبائل اور ذیلی قبائل کو سزا دی جاتی ہے۔''

14 مارچ، 2018: ایچ آر سی پی نے اسلام آباد ہائی کورٹ (آئی ایچ سی) کے ایک حالیہ فیصلے کو باعثِ تشویش قرار دیا ہے جس میں عدالت نے مذہب کے اظہار کی لازمی شرط عائد کی ہے۔ کمیشن نے وفاقی حکومت سے اس فیصلے کے خلاف اپیل کرنے کا مطالبہ بھی کیا ہے۔ ایچ آر سی پی کو خدشہ ہے کہ اس عدالتی آرڈر سے خاص طور پر احمدی برادری پر جبر اور تشدد میں اضافہ ہو جائے گا۔ ملک میں احمدی برادری کے تحفظ کو لاحق خطرات کے پیشِ نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس آرڈر کے نتائج ان کے لیے تباہ کن ثابت ہو سکتے ہیں۔

30 مارچ، 2018: ایچ آر سی پی نے لیڈی ہیلتھ ورکرز کی ہڑتال کی حمایت کا اظہار کیا ہے اور حکومت پنجاب سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ اپنے نوٹیفکیشن پر عملدرآمد کرے جو اس نے 2012 میں صوبے میں 50,000 لیڈی ہیلتھ ورکرز کو مستقل کرنے کے لیے نوٹیفکیشن جاری کیا تھا۔ ایچ آر سی پی نے پنجاب حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ اپنی اس کوتاہی کا جلد از جلد ازالہ کرے۔ لیڈی ہیلتھ ورکرز پاکستان کے سرکاری شعبہ صحت کے لیے انتہائی اہم ہیں اور اُن میں سے بیشتر صوبے کے دور دراز و پسماندہ علاقوں اور انتہائی مشکل حالات میں لوگوں کو بنیادی طبی نگہداشت، خاندانی منصوبہ بندی اور ویکسی نیشن کی سروسز فراہم کر رہی ہیں۔

7 اپریل 2018: ایچ آر سی پی نے اپنے اس موقف کو پھر سے دہرایا کہ کسی بھی ریاستی ایجنسی کی مداخلت کے بغیر تمام افراد کے لیے برابر مواقع کی فراہمی کو یقینی بنایا جائے۔ ایچ آر سی پی نے مطالبہ کیا کہ آزادانہ اور شفاف انتخابات وقت پر منعقد کیے جائیں۔ اس نے مزید کہا کہ: ''اس بات کو یقینی بنانے کے لیے خصوصی اقدامات کیے

جائیں کہ خواتین اور مذہبی اقلیتیں انتخابات میں آزادانہ طور پر اور خوف، دباؤ یا دھمکی کے بغیر ووٹ دینے اور انتخاب لڑنے کے قابل ہوں۔ اس تناظر میں، متحرک پولنگ اسٹیشن اس بات کو یقینی بنانے کا ذریعہ ہوسکتے ہیں کہ وہ لوگ جو بصورت دیگر اپنا ووٹ ڈالنے کے قابل نہ ہوں، اپنے اس بنیادی حق کا استعمال کرسکیں''۔

ایچ آر سی پی نے خاص طور پر جبری گمشدگیوں، ماورائے عدالت ہلاکتوں، ریاستی امور میں سے سول سوسائٹی کے بڑھتے ہوئے اخراج، انتہا پسند جماعتوں کی مرکزی دھارے میں شمولیت، خواتین اور بچوں کے خلاف تشدد، مزدوروں کے حقوق، خودکشی کے واقعات میں اضافہ، عقیدہ ظاہر کرنے کی لازمی شرط، مذہبی انتہا پسندی، عدالتی فعالیت کے بڑھتے ہوئے رجحان، اور اظہار رائے پر پابندیوں کی نشاندہی کی۔ کمیشن نے پشتون تحفظ موومنٹ کو خوش آمدید کہا، اس مسلمہ اصول پر یقین کے ساتھ کہ تمام لوگوں کو اپنی شکایات کے پرامن اظہار کا حق حاصل ہے۔ تحریک کے تحت جن جائز خدشات کا اظہار کیا گیا وہ ریاست اور عوام کے درمیان تعلقات میں بگاڑ کی عکاسی کرتے ہیں۔ ہم حکومت پر زور دیتے ہیں کہ وہ ان خدشات پر توجہ دے اور پشتونوں نیز دیگر لوگوں کے انجمن سازی کے حق میں مداخلت سے گریز کرے۔''

19 اپریل، 2018: یہ قیاس آرائیاں عروج پر ہیں کہ حکام خیبر پختونخوا کی ایک تنظیم کو 22 اپریل 2018ء کو لاہور میں جلسے کی اجازت دینے پر راضی نہیں ہیں۔ ایچ آر سی پی نے آج پنجاب حکومت پر زور دیا کہ وہ ایسے اقدامات کرنے سے اجتناب کرے جنہیں لوگوں کے اجتماع کے بنیادی حق میں مداخلت کے طور پر دیکھا جائے۔ ایچ آر سی پی نے پنجاب چیف سیکریٹری کو بھیجے گئے ایک خط میں کہا کہ: 'ہمارا ماننا ہے کہ خیبر پختونخوا کے لوگوں کو لاہور میں داخل ہونے اور جلسہ منعقد کرنے کا اتنا ہی حق ہے جتنا کسی دوسرے صوبے کے لوگوں کو ہے۔' پنجاب حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ اس بات کو یقینی بنائے کہ صوبے میں ہونے والی کسی بھی پرامن سیاسی سرگرمی میں رکاوٹ نہ ڈالی جائے، اور یہ کہ پاکستان کے تمام لوگوں کو اپنی شکایات کے پرامن اظہار کا حق حاصل ہے۔'

03 مئی 2018: ایچ آر سی پی نے گزشتہ چند ماہ کے دوران ملک میں پریس کی آزادی میں تیزی سے ہونے والی تنزلی کا سخت نوٹس لیا جبکہ عین اسی وقت خیبر پختونخوا میں نچلی سطح پر ایک مضبوط تحریک ابھر کر سامنے آئی تھی۔ پریس کی آزادی کے عالمی دن کے موقع پر جاری ہونے والے ایک بیان میں ایچ آر سی پی نے پریس کو ہراساں کرنے اور دھمکائے جانے، اور لوگوں کی اظہار رائے کی آزادی اور ان کی معلومات تک رسائی پر پابندیاں لگائے جانے کی مذمت کی۔ ایچ آر سی پی نے مزید کہا کہ ان لوگوں کے حالات کا پتا لگانے کے لیے کوئی اقدامات نہیں کیے گئے جنہیں اسٹیبلشمنٹ کے حامی بیانیے پر تنقید کرنے کی بناء پر 'لاپتا' کردیا گیا۔

12 مئی، 2018: ایچ آر سی پی کو پشتون تحفظ موومنٹ (پی ٹی ایم) کے کارکنوں کے خلاف ریاستی جبر پر انتہائی تشویش ہے۔ پی ٹی ایم نے کراچی میں ایک عوامی جلسے کے انعقاد کا اعلان کیا تھا تاہم جلسے سے محض چند دن قبل سیکیورٹی اداروں نے پی ٹی ایم کے کارکنوں کے خلاف سخت کریک ڈاؤن شروع کردیا ہے۔ ایچ آر سی پی ایک بار پھر

حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ عوام کے پرامن اجتماع کے حق میں مداخلت سے گریز کیا جائے۔

25 مئی، 2018: ایچ آر سی پی کو سیالکوٹ میں جماعت احمدیہ کی عبادت گاہ اوران کے ایک انتہائی تاریخ مقام کی مسماری پر شدید تشویش ہے۔

ایچ آر سی پی نے حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ واقعے کی جلد از جلد اعلیٰ سطح پر شفاف تحقیقات کی جائے اور ذمہ داروں کے خلاف مئوثر قانونی کاروائی کی جائے۔'اصل حقائق کا منظر عام پر آنا بہت ضروری ہے۔مظلوم احمدی برادری پہلے ہی دھمکیوں اور تشدد کا نشانہ بن رہی ہے۔ ریاست کو چاہیے کہ وہ جماعت احمدیہ کی عبادت گاہوں اور مذہبی اہمیت کے مقامات کو محفوظ کرنے کے لیے تمام ممکنہ اقدامات کرے۔ آئین کی رو سے تمام مذہبی اقلیتیں اس تحفظ کی مستحق ہیں اور ہجوم کی حالیہ مبینہ غارت گری کی کسی صورت حمایت نہیں کی جاسکتی'۔

16 جولائی، 2018: کمیشن کو ملک میں ہونے والے عام انتخابات کے نتائج پر اثر انداز ہونے کی کھلی، جارحانہ اور شرمناک کوششوں پر شدید تشویش ہے۔ مثال کے طور پر سکیورٹی فورسز کو غیر معمولی اختیارات دینا، بعض سیاسی جماعتوں پر دباؤ ڈالنا، کالعدم تنظیموں کو انتخابی عمل میں شریک ہونے کی اجازت دینا شدت پسند گروہوں کی حوصلہ افزائی اور پرنٹ میڈیا یا الیکٹرانک ذرائع ابلاغ میں پابندیاں انتخابات کے نتائج پر اثر انداز ہونے کی نشاندہی کرتی ہیں۔ ایچ آر سی پی تمام شہریوں سے اپیل کرتا ہے کہ اگر انہیں محسوس ہو کہ کہیں انتخابی ضوابط اور قوانین کی خلاف ورزی کی جارہی ہے تو وہ ضروری شواہد کے ساتھ ای سی پی سے رجوع کریں۔

23 جولائی 2018: ایچ آر سی پی نے پاکستان بھر میں اظہار رائے پر پابندیوں کی وسعت اور نوعیت کا جائزہ لینے کے لیے ایک آزادانہ فیکٹ فائنڈنگ کا انعقاد کیا۔ ایچ آر سی پی نے اپنے مشاہدات کی بنیاد پر پاکستان کی وفاقی اور صوبائی حکومتوں، ان کی انتظامی شاخوں اور دیگر تمام ریاستی اداروں اور سروسز سے مطالبہ کیا کہ وہ:

- ☆ ان شکایات کا نوٹس لیں جو کمیشن نے پیش کی تھیں
- ☆ ملک میں اظہار رائے کی آزادی میں ناجائز، غیر قانونی اور خلاف قانون مداخلت کی ممانعت کے لیے مناسب اقدامات کریں
- ☆ ٹی وی چینلز اور اخبارات کے مالکان کے حقوق کا تحفظ کیا جائے تاکہ وہ عزت کے ساتھ اور کسی مداخلت کے بغیر کام کرسکیں
- ☆ کسی بھی اخبار کی فروخت اور تقسیم میں کسی قسم کی مداخلت نہ کی جائے، نہ ہی ٹی وی چینلز کے نمبر دانستہ طور پر تبدیل کئے جائیں۔
- ☆ ریاستی ایجنسیوں کی جانب سے 'صحافتی امور سے متعلق ہدایات' یا اس جیسی دیگر 'ہدایات' جاری کرنے کا سلسلہ بند کیا جائے

☆ اس قسم کی تمام شکایات کا فوری ازالہ کیا جائے

☆ معلومات تک رسائی کے ایکٹ 2017 کے تحت ریاست کی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لیے ہر صوبے میں مکمل اور مؤثر معلوماتی کمیشن قائم کیے جائیں

29 اگست، 2018: ایچ آر سی پی نے حکومت پر زور دیا ہے کہ وہ پریس کی آزادی میں حائل رکاوٹوں کا ادراک کرے اور ان کا فوری خاتمہ کرے۔ ایچ آر سی پی نے یہ مطالبہ اخبارات کی ترسیل اور صحافیوں کی اظہار رائے کی آزادی پر عائد پابندیوں سے متعلق رپورٹ کی تقریب رونمائی کے موقع پر جاری ہونے والے اپنے ایک بیان میں کیا ہے۔

08 ستمبر، 2018: ایچ آر سی پی نے معاشی مشاورتی کونسل (ای اے سی) سے ڈاکٹر عاطف میاں کی نامزدگی واپس لینے کے حکومتی فیصلے پر شدید افسوس کا اظہار کیا ہے۔ ایچ آر سی پی کا حکومت سے مطالبہ ہے کہ وہ کسی بھی ایسے اقدام سے اجتناب کرے جس سے لگے کہ حکومت نے پاکستان کے اداروں میں تقرری کا فیصلہ تمام قانونی تقاضوں اور شرائط کو نظر انداز کر کے صرف عقیدے کی بنیاد پر کیا ہے۔

24 ستمبر، 2018: ایچ آر سی پی کو یہ جان کر شدید تکلیف ہوئی ہے کہ لاہور ہائی کورٹ نے صحافی سرل المیدہ کو سابق وزیر اعظم نواز شریف پر غداری کے ایک مقدمے کی اگلی سماعت میں پیش کرنے کے احکامات جاری کرتے ہوئے ان کے ناقابل ضمانت وارنٹ جاری کر دیے ہیں۔ ایچ آر سی پی کا فاضل عدالت سے پر زور مطالبہ ہے کہ مسٹر سرل المیدہ کو مقررہ سماعت پر اپنی مرضی سے پیش ہونے کا موقع دیا جائے اور ان کا نام فوری طور پر ای سی ایل سے ہٹایا جائے۔

25 ستمبر، 2018: پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق نے حال ہی میں بین العقائد قومی ورکنگ گروپ تشکیل دیا ہے۔ کمیشن کا یہ اقدام مذہبی اقلیتوں کے لیے ایڈووکیسی و قانونی امداد کے لیے ایچ آر سی پی کے پہلے سے جاری ایک پراجیکٹ کا حصہ ہے۔

گروپ کی تشکیل کے فوری بعد جاری ہونے والے ایک بیان میں ایچ آر سی پی نے کہا کہ مذہب اور عقیدے کی آزادی کمیشن کا اہم حصہ ہے۔ بین العقائد قومی ورکنگ گروپ میں ملک میں بسنے والے مختلف عقائد کی نمائندگی ہے۔ یہ پلیٹ فارم عقائد کے مابین گفت وشنید کا اہتمام کرے گا اور مذہبی اقلیتوں کے بنیادی حقوق کے تحفظ کے لیے ایڈووکیسی کرے گا، معاشرے میں آگاہی پھیلائے گا اور دیگر ضروری اقدامات اٹھائے گا۔

28 ستمبر، 2018: ایچ آر سی پی نے جاننے کے حق کے بین الاقوامی دن کے موقع پر اپنے موقف کو پھر سے دہرایا ہے کہ لوگوں کا معلومات کا حق بنیادی حق سے کم نہیں ہے۔ ایچ آر سی پی کا کہنا ہے کہ ایسے ماحول میں جب ملک میں صحافت حملوں کی زد میں ہے جن میں روز بروز شدت آ رہی ہے، ریاست کو چاہیے کہ وہ شہریوں کے معلومات کے حق پر غیر ضروری پابندیاں ہٹائے اور معلومات تک رسائی ایکٹ 2017 کے تحت اپنی ذمہ داریاں ادا کرے۔

22 اکتوبر، 2018: استنبول میں سعودی قونصلیٹ میں صحافی جمال خاشقجی کے مبینہ بہیمانہ قتل سے متعلق سامنے آنے والی تفصیلات کے تناظر میں، حکومت پاکستان اس واقعہ پر مناسب مئوقف اپنانے میں ناکام رہی ہے جو کہ ایک افسوسناک امر ہے۔ ایسے حالات میں جب پاکستانی میڈیا یا صحافت کی آزادی پر غیر اعلانیہ پابندیوں کی کا شکار ہے، ایچ آر سی پی کا خیال ہے کہ حکومت کو خاشقجی کے معاملے میں زیادہ واضح مئوقف اپنانا چاہیے تھا۔ دفتر خارجہ کی طرف سے صرف یہ بیان کہ ''مناسب ہے کہ تحقیقات کے نتائج آنے تک انتظار کیا جائے''، نہ صرف آزادی اظہار جیسے آئینی اصول بلکہ صحافیوں کے تحفظ سے بھی لاتعلقی کا غماز ہے جو کہ ایک تکلیف دہ امر ہے۔

26 اکتوبر، 2018: اگرچہ عدالت نے انسانی حقوق کی کارکن گلالئی اسماعیل کو ضمانت پر رہا کردیا ہے تاہم ایچ آر سی پی کو اس بات پر سخت تشویش ہے کہ ان کا نام اب بھی ایگزٹ کنٹرول لسٹ (ای سی ایل) پر موجود ہے اور ان کی سفری دستاویزات ضبط کرلی گئی ہیں۔ ایچ آر سی پی نے اپنے اس موقف کو پھر سے دہرایا ہے کہ 'نقل و حرکت کی آزادی بین الاقوامی طور پر تسلیم شدہ بنیادی حق ہے۔ ریاست مخالف سرگرمیاں انسانی حقوق کے محافظین، خاص طور پر پی ٹی ایم سے وابستہ افراد کے لیے ایک موثر لیبل بن چکا ہے۔ پر امن اختلاف رائے کے حق پر تواتر کے ساتھ ریاست مخالف' کا لیبل نہیں لگایا جانا چاہیئے، خاص طور پر اس وقت جب اس کا مقصد تکلیف دہ' حقائق کو منظر عام پر لانا ہو۔'

ایچ آر سی پی حکام سے مطالبہ کرتا ہے کہ محترمہ گلالئی کی نقل و حرکت کی آزادی اور ان کے دیگر حقوق پر عائد تمام پابندیاں اٹھائی جائیں، اور پاکستان میں انسانی حقوق کے محافظین کے کام میں رکاوٹ ڈالنے کے لیے ای سی ایل کو ایک من مانے اور سیاسی محرکات کے حامل آلے کے طور پر استعمال کرنے سے گریز کیا جائے۔

سیاسی عمل میں شمولیت

31 جولائی، 2018: ایچ آر سی پی نے انتخابات کے بروقت اور مجموعی طور پر پر امن انعقاد پر اطمینان کا اظہار کیا ہے۔ تاہم، انتخابات سے قبل تشدد کے نتیجے میں متعدد جانوں کے ضیاع کا ایچ آر سی پی کو بہت زیادہ دکھ ہے۔ کمیشن کو پولنگ کے بعد کی کاروائیوں کے متعلق سیاسی جماعتوں اور ایچ آر سی پی کے اپنے مبصرین کی شکایات پر بھی تشویش ہے۔ ووٹوں کی گنتی کے انتہائی ناقص طریقہ کار، کئی جگہوں پر پولنگ ایجنٹوں کو ووٹوں کی گنتی کے مشاہدے سے روکے جانے اور نتائج کے اعلان میں بہت زیادہ تاخیر ہونے کی کئی اطلاعات موصول ہوئیں جنہوں نے انتخابی عمل پر شکوک وشبہات پیدا کر دیے ہیں۔ ان شکوک وشبہات کا مکمل ازالہ کیا جائے تاکہ انتخابات کی ساکھ کو متاثر ہونے سے بچایا جاسکے۔ کمیشن کا حکومت سے مطالبہ ہے کہ وہ پاکستان کے جمہوری نظام کو کمزور کرنے والے عوامل کا نوٹس لے اور جبری گمشدگیوں، اظہار اور انجمن سازی کی آزادی پر قدغنوں، جانبدارانہ احتسابی عمل، اختیارات کی علیحدگی کے اصول سے انحراف، اداروں کی خودمختاری کے فقدان اور سول سوسائٹی کے لیے سکڑتی ہوئی فضا کے حوالے سے ایچ آر سی پی کے تحفظات کا ترجیحی بنیادوں پر نوٹس لیا جائے۔

پسے ہوئے طبقوں کے حقوق

07 مئی، 2018: ایچ آر سی پی نے بلوچستان میں 29 مزدوروں کی ہلاکت پر شدید تشویش کا اظہار کیا ہے۔ کمیشن نے کہا: 'یہ بات ناقابلِ قبول ہے کہ مزدوروں کو ان علاقوں میں مناسب سکیورٹی فراہم نہیں کی جاتی جو سیاسی طور پر حساس سمجھے جاتے ہیں اور جہاں ایسے حملوں کا خطرہ موجود رہتا ہے۔ ایسی صورتحال میں مزدوروں کے تحفظ کی ذمہ داری براہ راست طور پر ان کے آجروں پر عائد ہوتی ہے جنہیں اس بات کو یقینی بنانے کے لیے تمام ممکنہ اقدامات کرنے چاہئیں کہ کسی بھی منتخب کردہ علاقے میں ان کے آپریشن مزدوروں کی زندگیوں کو غیر ضروری خطرے میں نہ ڈالیں۔ جہاں ایسا خطرہ موجود ہو وہاں آجر اپنے ملازمین کو باقاعدہ اور مناسب سکیورٹی فراہم کرنے کے پابند ہیں۔ ایچ آر سی پی نے ریاست اور آجروں پر بھی زور دیا ہے کہ وہ اس بات کو یقینی بنائیں کہ دونوں واقعات میں جاں بحق ہونے والے مزدوروں کے لواحقین کو مناسب معاوضہ ادا کیا جائے۔

18 مئی، 2018: ایچ آر سی پی نے وفاقی و صوبائی حکومتوں سے مطالبہ کیا ہے کہ بینائی سے محروم لوگوں کے جائز مطالبات تسلیم کیے جائیں۔ ان لوگوں نے اپنے مطالبات کے حق میں پچھلے کئی دنوں سے کلمہ چوک پر احتجاجی دھرنا دے رکھا ہے۔ ایچ آر سی پی نے کہا ہے کہ ''خود کو 'مہذب' کہنے والی تمام حکومتوں کا فرض ہے کہ وہ ایسے تمام پسے ہوئے افراد کے حقوق کا تحفظ کریں اور جہاں تک ممکن ہو سکے کوشش کریں کہ یہ لوگ محض اس وجہ سے اپنے بنیادی حقوق سے محروم نہ رہ جائیں کہ وہ کسی معذوری کا شکار ہیں۔ ان کے اہم حقوق میں روزگار تک رسائی کا حق، مناسب اجرت کا حق اور کام کے سازگار حالات کا حق شامل ہیں۔ یہ حقیقت کہ مظاہرین کو احتجاج پر بیٹھے پہلے ہی ایک ہفتہ بیت چکا ہے اور ان کے مطالبات پر توجہ نہیں دی جا رہی، اس بات کا ثبوت ہے کہ ریاست خصوصی ضروریات کے حامل افراد کے ساتھ انتہائی ناروا رویے کا مظاہرہ کر رہی ہے''۔

سماجی و معاشی حقوق

06 جون، 2018: ایچ آر سی پی نے پنجاب یونیورسٹی کے نئے وائس چانسلر کے متنازعہ انتخاب کا سنجیدگی سے نوٹس لیا ہے اور اس فیصلے پر نظرثانی کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔ 'علاوہ ازیں، ایچ آر سی پی کو سرکاری شعبے کی یونیورسٹیوں کے وائس چانسلروں کے طریقہ انتخاب، بالخصوص صوبائی حکومت اور اس کی بیوروکریسی کو اس عمل پر حاصل اجارہ داری پر شدید تحفظات ہیں۔ کمیشن انتخاب کے ایک نئے اور شفاف طریقہ کار کا مطالبہ کرتا ہے۔ شاید اب وقت آ گیا ہے کہ ایک انتہائی بااختیار اور جامع قومی کمیشن قائم کیا جائے تاکہ تعلیم کو اس گڑھے سے نکالا جا سکے جس میں یہ گر چکی ہے''۔

09 اکتوبر، 2018: ایچ آر سی پی نے اٹھارہویں ترمیم کو ختم کرنے کی کوششوں پر شدید تشویش کا اظہار کیا ہے اور کہا ہے کہ اٹھارہویں ترمیم پاکستان کی بطور وفاقی مملکت شناخت اور جمہوریت کے لیے ناگزیر ہے۔ ایچ آر سی پی

ملکی سیاست میں عدالتی کردار، پاکستان میں پریس کی آزادی پر مسلسل پابندیوں اور جبری گمشدگیوں سے بھی پریشان ہے۔ کمیشن نے یہ بھی کہا ہے کہ صرف ستمبر کے مہینے میں تھر میں کم از کم 50 بچے غذائیت کی کمی کے باعث اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں، کانوں میں خاص طور پر بلوچستان میں تشویش ناک حد تک حادثات پیش آ رہے ہیں اور گلگت بلتستان میں عورتوں کی خودکشیوں میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ایچ آر سی پی نے کہا ہے کہ ریاست زندگی کے بنیادی حق کے تحفظ کو یقینی بنانے کے لیے ان معاملات کا نوٹس لے۔ کمیشن نے یہ بھی مطالبہ کیا ہے کہ ایسے عناصر کی خدمات کو تسلیم کیا جائے اور ان کی حوصلہ افزائی کی جائے جو غربت کے خاتمے اور انسانی حقوق کے تحفظ کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں۔ کمیشن کا اشارہ ملک سے 18 عالمی امدادی تنظیموں کی غیر ضروری بے دخلی اور بعد ازاں الیکٹرانک میڈیا پر ان کے خلاف چلائی گئی مہم کی طرف ہے۔